

وَعَلَّمَنَا صَنْعَةَ لُبُوسٍ لَكُمْ
(القرآن)

دست کار اہل شرف

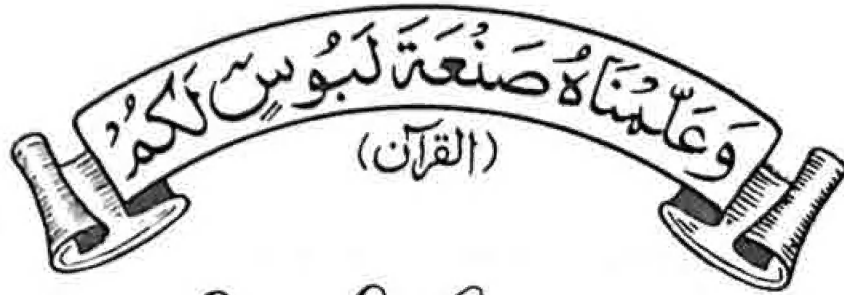
تذکرہ سیدالاحدیں

از
محدث حبیب ابوالمآثر حضرت مولانا حبیب الرحمن الاعظمی

ناشر



مركز تحقیقات و خدمات علمیہ
پوسٹ بکس، ممو ۲۷۵۱۰۱ (ہند)



درست کار اہل شرف

محکمہ اسلامیات

از

محدث حلیل ابوالماثر حضرت مولانا حبیب الرحمن الاعظمی

ناشر



مركز تحقیقات و خدمات علمیہ

پوسٹ بکس، منو ۲۷۵۱۰۱ (بھند)

نام کتاب _____ دست کار اہل شرف
 تصنیف _____ حضرت محدث کبیر مولانا حبیب الرحمن الاعظمی
 صفحات _____ ۱۶۰
 سن اشاعت _____ ۱۳۲۲ھ = ۲۰۰۱ء
 طبع دوم _____ ایک ہزار
 ناشر _____ المجمع العلمی، مرکز تحقیقات و خدمات علمیہ، ممبئی
 قیمت _____

طباعت شیر دانی آرٹ پرنٹرز دہلی۔ ۶ فون: 2943292

ملنے کا پتہ

۱۰۱۵۱۰۱ - ۲۷۵۱۰۱
 یو پی - انڈیا
 پوسٹ بکس نمبر ۱۰۱۵۱۰۱ - ۲۷۵۱۰۱
 مونا تھ بھنجن - ۲۷۵۱۰۱ - ۲۷۵۱۰۱
 یو پی - انڈیا

فہرست

| | | | | | |
|----|----------------------------------|----|---|----|--|
| ۳۱ | شیخ احمد شہر والی رحمۃ اللہ علیہ | ۲۶ | شیخ ابوالعباس حرار | ۷ | تمہید |
| ۳۲ | احمد بن خفاجا صفدی | ۲۷ | امام ابوعلی مرزوقی | ۱۰ | مقدمہ |
| ۳۳ | شیخ اسماعیل حاکم مفتی شام | ۳۰ | حرار | ۱۳ | انبیاء علیہم السلام |
| ۳۶ | اسماعیل بن ناصر باعونی | " | شیخ احمد سفید بان | " | حضرت آدم علیہ السلام |
| " | شیخ ابراہیم سفید بان | " | شیخ احمد بن حسین ابوبکر زاہد شیرازی | " | حضرت ادریس علیہ السلام |
| ۳۷ | علامہ شیخ ابراہیم بن محمد شامی | ۳۱ | مولانا حاجی حافظ محمد اسماعیل بناری | " | حضرت شیت علیہ السلام |
| " | ابراہیم کردی فار سکوری | ۳۲ | مولانا مفتی حسین بہاری پرنسپل مدرسہ اسلامیہ | " | حضرت صالح علیہ السلام |
| " | ابراہیم بن احمد بن ناصر باعونی | " | ابوبکر بن عبدالبر بن محمد مصلی شافعی | " | حضرت حوا علیہا السلام |
| ۳۸ | شیخ ابراہیم بنیتی | ۳۲ | احمد بن عبد الملک بن ابی بکر | ۱۴ | صحابہ کرام رضی اللہ عنہم |
| ۳۹ | شیخ ابراہیم بن اشفاق قدس سرہ | " | ابراہیم بن ابی بکر بن عبد اللہ مصلی | " | حضرت ابوالیوب انصاری رضی اللہ عنہ |
| " | ابوبکر بن الجنون | ۳۵ | احمد بن محمد فار سکوری | ۱۵ | حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ |
| " | ابوبکر بن مقدس | " | احمد بن ناصر باعونی | ۱۶ | فائدہ |
| ۵۱ | شیخ ابوالحسین سرکی | ۳۶ | احمد شرباصی فار سکوری | ۱۷ | تقلید بنت قیس |
| ۵۲ | شیخ الگو نور بان | ۳۷ | شیخ احمد بن عمر حامی علوانی | ۱۸ | رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ بھی زاد |
| " | شیخ ابوبکر نساج | " | احمد بن احمد حرستی | ۲۰ | بہائی حضرت زبیر بن العوام اور فاتح مصر |
| " | ابو تمام مصنف دیوان حماد | " | احمد بن محمد بن مستطفی حرستی | " | حضرت عمرو بن فاضل اور امیر بصرہ و والدہ |
| ۵۳ | شیخ ابوبکر یحییٰ | ۳۸ | شیخ احمد بعلی | " | حضرت عامر بن کریم |
| " | حضر شاہ رفیع الدار لکھنوی | " | سید احمد بن سید محمد قلا قنس | ۲۱ | آنحضرتؐ کی ناہنالی میں بنائی کلام ہوا تھا |
| ۵۴ | مولانا بہادر سنوی | ۳۹ | سید احمد حرستی | ۲۲ | پیر بختیاری ایک اور سماویہ |
| " | بکر بن احمد ابوالقائم نساج | " | خواجہ ابراہیم | ۲۳ | معارف حضرات |
| " | شیخ بھولا سفید بان بہار پوری | " | شیخ ابوالحسن گزرونی | " | معارف کائنات شرافت اور ان کی باندگی |
| | | | | " | کا شہرت مدیشت |
| | | | | ۲۵ | شیخ ابوبکر بن عبد اللہ طوسی زنجانی |

| | | | | | |
|----|---|----|---|----|---------------------------------------|
| ۸۶ | عزالدین بن شمس الدین الکوکی | ۴۱ | شیخ خدا بخش مندوی | ۵۵ | خواجہ مبارالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ |
| " | عبد القادر بن علی جاک | ۴۲ | حضرت خورم شاہ بہ ایونی | ۵۶ | بقار بن سلامہ محدث حافظ حدیث |
| ۸۷ | عبد المحسن بطاخی بغدادی اریب | " | شاہ خیر اللہ لکھنوی | ۵۷ | بافندہ |
| " | عبد المنعم مکی اریب | " | حضرت شیخ خیر نساج | ۵۸ | حضرت شیخ تقی مائکتوری مائک |
| " | علی بن حسین معروف بابن زکون | ۴۳ | ابن الدقاق صاحبی اعزازی | ۵۹ | جروشہ بن عبداللہ نساج |
| ۸۸ | علی بن حسین فارسکوری | ۴۴ | دوست محمد نور باف | " | جمیل بن دراج |
| " | علی بن عبید فارسکوری مہربان المیزن | ۴۵ | محمد درویش دھکی | " | جاک مصلح الدین |
| ۸۹ | علی بن محمد اشمنی فارسکوری | ۴۶ | شیخ رجب قدس اللہ سرہ | " | شیخ جمال اچھی |
| ۹۰ | عمر بن ابی بکر دمشقی المعروف بابن عثمان | " | شیخ زائر اللہ مانڈوی | ۶۱ | جمال الدین جنید دمشقی |
| " | عمر بن محمد حمصی شافعی | " | شیخ سدی سپید باف | " | درویش شاعر |
| " | عمر بن حسین زرقاوی | ۴۷ | حضرت شاہ شامی سنہلی | " | جلیل القدر نواب فصاحت جنگ |
| ۹۱ | شیخ عمرو ذوالی مائک | ۴۸ | شرف نساج | " | جلیل رحمہ اللہ |
| " | عطار ازرق نساج | " | شیخ صالح بن قاسم حربی موزن | ۶۲ | جمال شاہ موی |
| " | شیخ عبدالودود | ۴۹ | حضرت صیاد الدین غازی پوری | ۶۵ | حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ |
| ۹۲ | قاضی عثمان حموی | " | صوفی مائک | ۶۶ | ابن اکامک ہمدانی |
| " | فقیہ مقری عبدالکریم بن اسماعیل | ۵۰ | مولانا حکیم محمد طاہر (پورہ شیخ معروف) | ۶۷ | شیخ حاجی |
| " | علی بن عمر ابو الہول نساج | ۵۱ | شیخ طہ اجبرینی محدث حلب | ۶۸ | حسین بن ابوبکر نساج |
| ۹۳ | علی بن انجبار | " | حضرت عزیزان رحمۃ اللہ علیہ | " | حضرت شاہ حیدر سنہلی |
| " | عبداللہ بن علی ماحوزی | ۵۲ | شاہ عثمان شہید | ۶۹ | شیخ حسین بن احمد بن حسین شیرازی |
| " | شیخ عبدالرزاق طائی | ۵۳ | حافظ عبداللہ غازی پوری بن شیخ عبدالرحیم | " | لال حسین لاہوری |
| ۹۴ | علی بن ایوب ماحوزی | ۵۴ | مولوی عبدالرحمن مبارکپوری | " | حبیب سفید باف |
| " | علی بن عبدالرحیم ارنتی | " | ملا عبدالرحیم گورکھپوری | ۷۰ | شیخ حیدر بن فراہیک مصلی شافعی |
| " | امام علی بن محمد سلیمی | ۵۵ | عزالدین عبدالعزیز زرقاہری | " | حاجی حکیم مولوی علی مائک سہری |

| | | | |
|-----|---------------------------------|-----|--|
| ۱۴۱ | ضمیمہ | ۱۳۰ | نوح بن دراج کوئی ابو محمد مخفی فقیہ { شاگرد رشید امام ابو حنیفہ ر |
| ۱۴۲ | (دنیا میں پارچہ بانی کے مرکز) | ۱۳۱ | ناصر بن عبد اللہ بن علی المطرز ابو الفتح { المعروف بالمطری اریب مشہور |
| " | مدینہ منورہ | " | ناصر بن عبد اللہ کوئی محلی حاکم |
| ۱۴۳ | یمن | ۱۳۲ | مولوی ولی اللہ محدث سورتی |
| ۱۴۶ | عراق | " | ہلال بن علی نساج |
| ۱۴۷ | جزیرہ و یسوپوٹامیا | " | میان ہدایت اللہ |
| ۱۴۸ | عراق، عجم، فارس و بخارا وغیرہ | ۱۳۳ | ہبتہ اللہ بن احمد بن یعلی الطرازی |
| ۱۵۳ | بخارا کا بیت الطراز | " | یوسف بن عبد الکیم موصلی |
| ۱۵۴ | بلاد مغرب | " | یوسف غری مرقی |
| " | ایشیائے کوچک و ترکی | ۱۳۴ | یونس بن محمد بعلی |
| ۱۵۵ | قطنطنیہ کا کارخانہ پارچہ بانی | " | مولانا محمد کبھی سہسرای |
| ۱۵۵ | ابانہ | " | ایک بافندہ زادہ بلخ شاعر |
| " | چین و خطا و ترکستان | ۱۳۵ | آسمو کے ایک صاحب دل حاکم |
| ۱۵۶ | تبت | " | یمن کے ایک بافندہ ولی |
| " | شام | ۱۳۶ | بی بی فاطمہ سپید بان |
| ۱۵۷ | مصر | ۱۳۷ | بی بی زلیخا |
| ۱۵۹ | ہندوستان | ۱۳۸ | زینب بنت اباعونی |
| | | " | عائشہ باعونیہ |
| | | " | تنبیہات و توضیحات |
| | | | تمتہ |
| | | ۱۴۰ | عبد الرحمن دمشقی نساج |
| | | " | دیگر نساج حضرات |

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

تہذیب

تذکرہ نویسی سوانح نگاری کا فن وہ فن ہے جس کو مسلم علماء نے اس کے نقطہ عروج تک پہنچایا ہے ہمارے اسلاف نے اس کے ساتھ خاص اہتمام برتا ہے اور اس کو بڑی وسعت و ترقی عطا کی ہے۔ تاریخ و تذکرہ نگاری کے ساتھ مسلمانوں کی دلچسپی کا یہ عالم ہے کہ خود تاریخ بھی اس پر انگشت بدنداں ہے۔

ہر دور اور ہر زمانے میں ایک ایک موضوع پر نہ جانے کتنی کتابیں وجود میں آئیں۔ ہمارے اسلاف میں سے کسی نے ایک مخصوص خطہ اور علاقہ کو اپنا موضوع بنایا، کسی نے ایک ملک کے حالات تحریر فرمائے کسی نے ایک شہر پر تصنیف و تالیف کے جوہر دکھائے۔ کسی نے ایک ہمدی کے افراد کو اپنی تصانیف میں زندہ جاوید بنادیا، علماء، ادباء، فقہاء، محدثین کے حالات پوری دقیقہ رسی، باریک بینی اور امانت و دیانت کے ساتھ صفحہ قرطاس پر محفوظ کر دیا، جس کی برکت سے تاریخ و تذکرہ اور سوانح و تراجم کا ایسا ذخیرہ وجود میں آیا کہ صرف اسی ایک فن سے عظیم الشان کتب خانہ تشکیل دیا جاسکتا ہے۔

محدث و مورخ و فقیہ و علامہ حضرت مولانا ابوالمآثر حبیب الرحمن الاعظمی قدس سرہ کی تصنیف ”دست کار اہل شرف“ اس کتب خانہ میں ایک بیش قیمت اضافہ ہے۔ یہ کتاب حضرت محدث کبیر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی علمی زندگی کے ابتدائی دور میں تحریر فرمائی تھی، لیکن اس کو زیور طباعت سے آراستہ ہونا زندگی کے آخری دور میں مقدر تھا، اس اشار میں حسب ضرورت آپ نے اس میں بہت سارے اضافے بھی کیے، غالباً حضرت محدث کبیر کا ارادہ صنعت و حرفت سے وابستہ اور دستکاری کرنے والے اہل علم و فن اور ادباء و کمال پرستوں کی تصنیف کا تھا، جس کا منظر کتاب ”دست کار اہل شرف“ کا پہلا حصہ ”تذکرۃ النسا جین“ (بارچہ بافوں کا تذکرہ) ہے، مگر اس کے بعد شاید آپ کو ہجوم

اشتغال اور دوسرے علمی کاموں سے اتنی فرصت نہ ملی کہ وہ اس موضوع پر قلم اٹھائیں۔

پیش نظر کتاب ”دست کار اہل شرف“ یعنی ”تذکرۃ النساہین“ پارچہ بان اصحاب فاضل دکن کے تذکروں پر مشتمل ہے۔ اس کے اندر حضرت محدث کبیرؒ نے سب سے پہلے انبیاء کرام (علیہم الصلوٰۃ والسلام) کے کپڑا بننے کا تذکرہ کیا ہے، اس کے بعد صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم) کا تذکرہ ہے، اس کے بعد یہ کتاب الف بانی ترتیب پر (حروف تہجی کے اعتبار سے) ہے۔ اس کا پہلا اڈیشن ۱۳۰۶ھ = ۱۹۸۵ء میں حسن پریس منوے چھپا تھا، اس اڈیشن میں یہ ترتیب تو ملحوظ رکھی، لیکن کچھ ایسے تذکرے بھی تھے جن کا ذکر اپنے مقام پر نہیں ہو سکا، ان کو آخر میں تتمہ کی شکل میں شامل کیا گیا تھا، مثلاً حضرت جنید بغدادیؒ کا تذکرہ حرف ”ج“ کے تحت نہیں ہو سکا تھا، وہ بعد میں تتمہ کی شکل میں تھا، اسی طرح حضرت امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت رحمۃ اللہ علیہ کا تذکرہ بھی آخر میں بطور تتمہ کے تھا، صحابہ کرام میں حضرت عمرؓ بن عاص اور حضرت زبیرؓ بن عوام وغیرہما کا تذکرہ بھی آخر میں مذکور تھا۔ اسی طرح ایک صحابیہ قتیلہ بنت قیس تھیں، ان کا ذکر بھی کتاب کے آخر میں تھا۔ اور وہاں حضرت محدث کبیرؒ نے تحریر فرمایا تھا کہ ”ان کا ذکر صحابہ کے ذیل میں ہونا چاہیے تھا مگر بھول سے وہاں ان کا ذکر نہیں ہو سکا۔“

اس اڈیشن میں ترتیب جدید کی کوشش کی گئی ہے۔ اور قارئین کی سہولت کے لئے کوشش کی گئی ہے کہ اس قسم کے تمام تذکروں کو اسی الف بانی ترتیب سے مرتب کر دیا جائے۔

حضرت محدث کبیرؒ کی یہ تصنیف مقبول خاص و عام ہوئی ہے، چنانچہ اس کا پہلا اڈیشن کئی سال ہوئے ختم ہو چکا تھا، اس اثناء میں اس کی طلب برابر بڑھتی رہی، چونکہ بہت سے قارئین عربی و فارسی زبان سے آشنا نہیں ہوتے، اور اس کتاب میں عربی و فارسی کی عبارتیں جا بجا بکھری ہوئی ہیں، بہت سی عبارتوں کا ترجمہ تو خود حضرت مصنف علیہ الرحمۃ نے بھی کیا ہے۔ لیکن بیشتر عبارتیں ایسی ہیں جن کا ترجمہ نہیں ہے۔ پہلا اڈیشن پڑھنے کے بعد بہت سے قارئین کرام کا تقاضا تھا کہ ان عبارتوں کا اگر اردو ترجمہ ہو جاتا تو اچھا تھا۔ موجودہ اڈیشن میں ترجمہ کی بھی حتی المقدور کوشش کی گئی ہے۔ یہ ترجمے حاشیے میں دیئے گئے ہیں، اور ان پر ہلالین () کے درمیان (مسعود) لکھ دیا گیا ہے، تاکہ حضرت مصنف علیہ الرحمۃ کے حواشی اور بعد کے ترجمہ کے درمیان امتیاز ہو سکے۔

موجودہ اڈیشن میں ایک نہایت بیش قیمت چیز اس کا ضمیمہ (دنیا میں پارچہ بانی کے مرکز)

ہے۔ یہ حضرت محدث کبیر کا ایک مستقل رسالہ ہے، یہ اگرچہ چند مصحفیات پر مشتمل ایک چھوٹا سا رسالہ ہے لیکن نہایت معلومات افزا پر مغز اور اپنے موضوع پر منفرد ہے۔ مضمون اور مواد کے لحاظ سے اس کتاب کے ساتھ اس رسالہ کی خاص مناسبت تھی، لہذا یہ مناسب سمجھا گیا کہ اس کو بھی بطور ضمیمہ شامل اشاعت کر دیا جائے۔

آخر میں دوسرے ایڈیشن کی اشاعت میں جو غیر معمولی تاخیر ہوئی ہے اس کے لئے ہم قارئین سے معذرت خواہ ہیں، اور ان سے ہماری یہ درخواست ہے کہ دعا فرمائیں کہ اللہ جل شانہ ادارہ کی ان کوششوں کو قبول فرمائے، اور حضرت مصنف علیہ الرحمہ کے دیگر علمی کارناموں کو قابل اشاعت بنانے اور منظر عام پر لانے کی توفیق عنایت فرمائے۔ آمین۔



مقدمہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

أَحْمَدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةِ وَالسَّلَامِ عَلَى سَيِّدِ الْأَنْبِيَاءِ
وَالْمُرْسَلِينَ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ الطَّيِّبِينَ الطَّاهَرِينَ

شریعتِ اسلامیہ میں ہاتھ سے کام کرنے اور دستکاری کو ذریعہٴ معاش بنانے کی بڑی نفیلت
اور تاکید وارد ہوئی ہے، جیسا کہ ذیل کی حدیثوں سے ثابت ہوتا ہے۔

- | | |
|--|---|
| (۱) افضل الکسب بیع میرو و کسب الرجل بیدلہ (مسند احمد و طبرانی عن ابی بردہ بن یار) | (۱) سب افضل کمائی بیع میرو و (وہ تجارت جو شریعت کے احکام و آداب کے مطابق ہو) اور انسان کی اپنے ہاتھ کی کمائی ہے۔ |
| (۲) اطیب الکسب عمل الرجل بیدلہ و کل بیع میرو و (مسند احمد و مستدرک وغیرہ عن رافع بن خدیج) | (۲) سب سے پاکیزہ کمائی اپنے ہاتھ کا کام اور بیع میرو ہے (مسند احمد و مستدرک وغیرہ) |
| (۳) اذکی الاعمال کسب المرء بیدلہ (شعب الایمان بیہقی عن علی) | (۳) سب کاموں میں سب سے اچھا کام آدمی کا اپنے ہاتھ سے کمانا ہے۔ (شعب الایمان بیہقی) |
| (۴) ما کسب الرجل کسباً اطیب من عمل یلکہ (ابن ماجہ عن المقدم و مسند احمد بمعناہ) | (۴) اپنے ہاتھ کی کمائی سے پاکیزہ تر کوئی کمائی نہیں ہے (ابن ماجہ و مسند احمد) |
| (۵) من اہسی کا لا من عمل یدایہ اہسی مغفوراً لہ (طبرانی فی الاوسط من ابن عباس) | (۵) جو ہاتھ سے لا کرنے میں تھک جائے اس کی مغفرت ہوگئی (طبرانی نے اوسط میں ابن عباس سے) |
| (۶) ان داؤد علیہ السلام کان لا یأکل الا من عمل یدلہ (صحیح بخاری عن ابی ہریرۃ) | (۶) حضرت داؤد علیہ السلام صرف اپنے ہاتھ سے کام کر کے کھاتے تھے۔ (صحیح بخاری) |
- مگر آج مسلمانوں نے اسلام کی دوسری بہت سی تعلیمات کے ساتھ اس تعلیم کو بھی بھلا دیا ہے۔

عہدوں کے حصول اور ملازمتوں کو سرمایہ عزت و افتخار اور ہاتھ سے کام کرنے کو معیوب اور پست کام سمجھنے لگے ہیں، اس کا ایک طرف یہ نتیجہ آنکھوں کے سامنے ہے کہ بیشتر اشراف بے روزگاری کی مصیبت میں مبتلا ہیں۔ دوسری طرف یہ دیکھا جا رہا ہے کہ جو لوگ دینی یا دنیاوی تعلیم سے بہرور ہیں یا ان کے پاس پیسے ہیں وہ دست کاروں کو ذلت و حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

حالانکہ یہ بات تعلیمات اسلام کے سراسر منافی ہے اور مسلمانوں میں اس قسم کے تصورات امتداد زمانہ کے بعد صرف غیر قوموں کے اختلاف سے پیدا ہوئے۔ اسلامی نقطہ نظر سے کوئی جائز پیشہ نہ معیوب ہے نہ اس کو اختیار کرنا ذلت و حقارت کا مستحق، اور اسلام کی تاریخ شاید ہے کہ اکابر اسلام نے کبھی کسی پیشہ کو حقیر نہیں سمجھا ہے، بلکہ ان اکابر میں ایک بڑی تعداد ان حضرات کی ہے جنہوں نے کسی پیشہ کو اپنایا اور اس کو ذریعہ معاش بنایا ہے اور دستکار و محترف ہونے کے باوجود وہ اسلامی تاریخ کے ہیرو، دین کے امام، اور علم و عرفان کے آفتاب و ماہتاب ہیں۔

انہیں باتوں کے پیش نظر برسوں سے یہ خیال ہو رہا تھا کہ محترم اعیان و اکابر اسلام کا ایک جامع تذکرہ قلمبند کیا جائے، جس میں ایک ایک پیشہ کو لے کر اس کے اختیار کرنے والے نامور حضرات کا حال لکھا جائے، چنانچہ اس سلسلہ کی پہلی کڑی اس وقت آپ کے سامنے ہے جس میں بنائی کا کام کرنے والے حضرات کا ذکر ہے، اس کام کے کرنا والے کچھ حضرات کا ذکر تاریخ المنوال والہ میں ہے مگر وہ ضمنی تذکرہ بہت تشنہ ہے اس تذکرہ میں ان حضرات کے علاوہ دوسرے کثیر التعداد حضرات کا ذکر آپ کو ملے گا۔ اور جن حضرات کا ذکر منوال میں ہے ان کے باب میں بھی مزید معلومات حاصل ہونگی۔ اس کے باوجود بہت سے حضرات کا تذکرہ ابھی ہم نے نہیں کیا، مگر امید ہے کہ ان شاء اللہ دوسرے اڈیشن میں ان حضرات کو بھی لے لیا جائے گا۔ واللہ الموفق

فائدا:۔ یہاں یہ بتادینا ضروری ہے کہ بنائی کا کام کرنے والے کو عربی میں صرف نساج، یا فاک ہی نہیں کہتے بلکہ اس کو دوسرے کئی لفظوں سے بھی یاد کیا کرتے ہیں۔ چنانچہ ایک عنوان قزاز ہے۔ الطابع السعد میں ایک قزاز کی ہجو کے عنوان سے چند شعر منقول ہیں ان اشعار کو پڑھئے تو ان میں صاف صاف بنائی کا کام کرنے والے کی ہجو نظر آئے گی، اس سے معلوم ہوا کہ بننے والے کو قزاز بھی کہتے تھے، لیکن چونکہ قزاز ریشم اور ریشمی کپڑے کو کہتے ہیں اس لئے قزاز کا اطلاق ریشمی کپڑے بننے والے ہی پر ہو سکتا ہے اسی لئے حافظ منذری نے شیخ صالح بن قاسم کو نساج لکھنے کے بعد قزاز بھی لکھا ہے تاکہ یہ معلوم ہو کہ وہ ریشمی کپڑے بننے والے تھے، دیکھئے

تکملاً ۱۵۹) بنداد میں ایک محلہ کا نام دارالقطن تھا جہاں سوتی کپڑوں کے کارخانے تھے اور ایک دوسرا محلہ دارالقز تھا، جہاں ریشمی کپڑے تیار ہوتے تھے، امام دارقطنی پہلے محلہ کی طرف منسوب ہیں۔ جن ممتاز شخصیتوں کو قزاز کے وصف کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے ان کو ہم نے بالاستیعاب ذکر نہیں کیا ہے۔ دوسرے اڈیشن میں محنت کر کے ان کو بالاستیعاب ذکر کرنا چاہئے۔

بعض بزرگوں کے ناموں کے ساتھ نساج کی جگہ برخامی کا لفظ استعمال ہوتا ہے، مثلاً شیخ میمون خامی شیخ عبداللہ خامی اور شیخ عبدالرحمن خامی۔ ملاحظہ ہو سخاوی کی تحفۃ الاجاب ص ۳۷۲ و ص ۳۲۸ و ص ۳۲۵۔ میمون خامی کے ذکر میں علامہ سخاوی لکھتے ہیں کان ینذبح الخام ببیدا، منجد وغیرہ میں ہے کہ خام کپڑے کی ایک قسم ہے۔ خامی کے علاوہ بعض حضرات کا حواری کے لفظ سے تعارف کرایا گیا ہے، جیسے شیخ ابوالعباس حواری وغیرہ۔ حافظ سخاوی شیخ ابوالعباس کے تذکرہ میں لکھتے ہیں کان ینذبح الحریر السقلاطونی فسنمی بالحواری ص ۲۸۸) اسی طرح بہت سے حضرات کے ناموں کے ساتھ حریری لکھا کرتے تھے۔ آگے حوالہ کے ساتھ بتایا گیا ہے کہ ریشمی کپڑے تیار کرنے والے کو حریری کہتے تھے۔

انبیاء علیہم السلام

(۱) حضرت آدم علیہ السلام ابو البشر کے بابت اس کام کی نسبت بہت مشہور ہے اور فردوس دلیلی میں ایک حدیث بھی ہے اول من حاک آدم ۱۴ اور ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے۔ وکان اول کسرتھما من شعرا لفضان حیزاک وغزلاہ فسمی لہ آدم جبۃ ولحواء درعا وحملا (۱۴) آدم وحوار کا پہلا لباس بھیڑ کے بالوں کا تھا، دونوں نے بال کاٹے اور اس کو کاتا پھرا آدم نے اپنے لئے ایک جبہ کا اور حوار کے لئے ایک درع اور ایک خمار کا کپڑا بنا۔

اور کامل ابن الاثیر ص ۲۳ میں ہے کہ حوار نے کاتا اور آدم نے کپڑا بنا۔
(۲) حضرت ادریس علیہ السلام بننے کی نسبت آپ کی طرف علامہ ابن خلدون نے دو مقاموں میں کی ہے اس کے علاوہ اور تمام متاعون کی نسبت بھی آپ کی طرف کی ہے۔

(۳) حضرت شیت علیہ السلام فصول البدائع میں ہے کان شیت حاکنا بامعین

سیارا -

(۴) حضرت صالح علیہ السلام آپ قبل بنتے تھے (شرح شرعۃ الاسلام)

(۵) حضرت حواء ام الناس علیہا السلام کانت حواء فیما ذکر قد غزلت و نسجت و عجنت و حزت و عملت اعمال النساء کلھا (ابن جریر ابن الاثیر ص ۳۱) حوار نے جیسا کہ کہا جا رہا ہے سوت کاٹا، کپڑا بنا، آٹا گوندھا، روٹی پکائی اور عورتوں کے سارے کام سمئے۔

ع ۱۔ سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام نے کپڑا بنا۔ (مسعود)
ع ۲۔ حضرت شیت علیہ السلام حاکم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام سیاد تھے۔ (مسعود)

آسمان بار امانت نتوانست کشید
قصره فال بنام من دیوانه زدند

در رسول ازین عار دارد و در خانه من نزول نفرماید

(۸) ایک صحابیہ جنہوں نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ہاتھوں سے ایک چادر منکری دی تھی قالت یرسل اللہ انی تسبعت هذه بیدی (صحیح بخاری ص ۲۸۲ کتاب الجنائز و ابن ماجہ)

ع ۲ میں ایک کمزور اور عسریب کپڑا بننے والا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مجھ سے عار معلوم ہو گا اور میرے غریب خانہ پر قیام نہیں فرمائیں گے۔ (مسعود)

ع۲ مبارک ہے وہ گھر جس میں ایسا جانہ ہو، اور خوش نصیب ہے وہ ملک جس کا تخت نشین ایسا بادشاہ ہو۔ (مسود)

ع۳ عرض کیا: اے اللہ کے رسول! اس کو میں نے بدست خود بنایا ہے۔ (مسعود)

(۹) ایک اور صحابی اور ان کی والدہ جنہوں نے ابوذر غفاریؓ کو جنگل میں اپنی ماں کے بجے ہو کر کپڑوں میں کفنا یا تھا تا ریح المنوال، زاد المعاد، کنز العمال، منتخب کنز العمال میں یہ واقعہ مفصل مذکور ہے، ان صحابی کا قول ہے وثوبین فی عیبی من غزل اھی حاکتھما لی اور دو کپڑے میرے گھڑی میں ہیں جن کا سوت میری ماں نے کاٹا ہے اور اسی نے ان کو بنا بھی ہے۔

(۱۰) اشعث بن قیس بن معدیکرب الکندی، آپ کے والد قیس کو اس پیشہ سے شغف تھا، لسان العرب اور نہایہ میں ہے کہ انھوں نے حضرت علیؓ سے کہا ما احسبک عرفتی یا امیر المؤمنین قال بلئی انی لاجد منك بنة الغزل ای ریح الغزل رماہ بالھیاکة قبل کان ابوالاشعث یولع بالنساجۃ میں سمجھا ہوں کہ آپ نے مجھ کو پہچانا نہیں، حضرت علیؓ نے فرمایا کہ میں پہچانتا ہوں اور مجھ کو تم سے سوت کی تھک رہی ہے حضرت علیؓ نے ان کی بافندگی پر تعریض کی، کہتے ہیں کہ اشعث کے باپ کو بافندگی سے شغف تھا، (لسان العرب ج ۱۶ و نہایہ ص ۱۱)

یزید حضرت علیؓ نے ایک بار اشعث بن قیس کے بارے میں فرمایا کہ ان اباضا کان یشیم الشمال بالیمین (دہتا ابن الانیر ص ۲۵۱) یعنی ان کے باپ اپنے ہاتھ سے لنگیاں یا چادریں بٹتے تھے، یہ فقرہ حضرت علیؓ کی فصاحت و بلاغت کا آئینہ دال ہے۔

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی بہن ام قردہ اشعث کے نکاح میں تھیں، ان کی وفات سلمہ کے ذوالحجہ ہوئی۔ شرح نہج البلاغۃ لابن ابی الحدید ص ۱۱۰ و ص ۱۱۱ میں ہے کہ ان کو حضرت علیؓ نے حاکم بن حاکم کہا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ

نہایت جلیل القدر صحابی اور صحابیہ میں نہایت اچھے درجے کے ربانی عالم و فقیہ و امام، اور خوش آوازی سے قرآن پڑھنے میں یکساں روزگار تھے۔ شتر اور دوسرے کئی شہر آپ کے ہاتھ پر فتح ہوئے، ان کے نفعات و منافع بیان کرنے کیلئے ایک دفتر چاہئے۔ حضرت علیؓ کو ایک قع پر ان سے شکایت پیدا ہو گئی تھی تو خط میں ان کو لکھا تھا یا ابن الحاکم اے بافندہ کے بیٹے! (شرح نہج البلاغۃ ص ۲۹۱) ایک اور موقع پر بھی حضرت علیؓ نے ان کو ابن الحاکم کہہ کر مخاطب کیا ہے (تذکرہ خواص الامہ ص ۱۲) حضرت ابو موسیٰ کے سال وفات میں اختلاف ہے مورخین نے ۲۳ھ سے لیکر ۳۵ھ تک کئی قول لکھے ہیں۔

فائدہ

کندہ اور اشعر دوسری خاندان اور قبیلے ہیں، اور یمن میں عموماً بتائی کا کام ہوتا تھا، ان میں اکثر قبائل کا یہی پیشہ تھا، اس کا رعب بڑا ثبوت عربی لٹریچر ہے، ایک عربی شاعر کہتا ہے۔

اذا انظر السود الیما نون حاولوا له شجر بریدہ ارقوا واسعوا (البیان والتبیین) ۱۲۹
جب یمن کے سیاہ قوم لوگ مدوح کے لئے جوڑہ بننے کا ارادہ کرتے ہیں تو باریک اور کشادہ بنتی ہیں۔

ابو تمام کہتا ہے

کشفیقة البرد المسهم وشيها في ارض مهرة او بلا دتريد (ضمار القلوب) ۱۳۰
وہ اپنے قصیدہ کو اس چادر سے تشبیہ دیتا ہے جو سر زمین مہرہ یا بلاد تزیہ (یمن یا جزیرہ) میں تیار ہوتی تھی اور اس میں پھول بوٹے ہوتے تھے۔ بھری کہتا ہے

جئناك نعمل الفاظا مدبجة كانما وشيها من يمنة اليمين (شمار ص ۱۳۱)
اس نے اپنے قصیدہ کو یمن کی یمنہ چادر سے تشبیہ دی ہے — طرفہ کہتا ہے
وبالسدق آیات کائن رسومها یمان وشتہ سیدۃ وسحول (معجم البلدان) ۱۳۲
ردامن کوہ میں منازل کے کچھ نشان ہیں گویا وہ یمنی چادریں ہیں اور ان کو اہل زیدہ و سحول نے پھول بوٹوں کے ساتھ بنا ہے، زیدہ یمن کا ایک شہر اور سحول یمن کا ایک قصبہ ہے۔
ابو طالب کہتے ہیں فیصم آل اللہ بیضا کانہا کستمہو حبورا سیدۃ ومعافر (معجم ص ۱۳۳)
پس اللہ کے لوگ ایسے اُچلے ہو جائیں گے گویا ان کو زیدہ اور معافر کے لوگوں نے حبورہ پہنا دیا ہے، معافر ایک یمنی قبیلہ ہے، اور ان کے ماکن کو بھی معافر کہتے ہیں۔
ان اشعار سے صاف ظاہر ہے کہ باندگی یمن کا مشہور پیشہ تھا اور آل تزیہ، اہل زیدہ اہل سحول اور معافر ی لوگ رب باندہ تھے۔

اس کے علاوہ احادیث، اشعار عرب اور تاریخ میں بہت سے کپڑوں کے نام آتے ہیں مثلاً
حبرہ، سحولیہ، معافریہ، قدیمیہ، سدیریہ، سعیدی، تزییدی، حلہ بعلینہ، عصبہ یمنیہ
حلہ افوان، یہ سب یمن کے علاقہ میں پتے تھے، اطمیان و قحطان کے لئے قاموس، تہایہ، اور معجم البلدان

وغیرہ کا مطالعہ کیجئے۔

مہدی خلیفہ عباسی کے سامنے ایک یمنی نے اپنے مفاد پر بیان کئے تو خالد بن صفوان نے اس کے ذباب میں مینوں پر باندگی کا آواز دے کسا، اور کہا مَا قِيَهُمُ الْاَحْلَاكُ بَرْدٌ (عقد فرید، شریعت البلاغۃ ص ۹۹ و شمار القلوب ص ۲۲۸)

ابن ابی الحدید نے جہاں یہ نقل کیا ہے کہ حضرت علی نے اشعث بن قیس کو حاکم بن حاکم کہا وہاں لکھا ہے فان اهل اليمن يعيرون بالحياكة وليس هذا مما ينص الاشعث (ص ۹۹) یعنی اہل یمن کو عموماً باندگی کا طعنہ دیا جاتا ہے یہ بات کچھ اشعث کے ساتھ قاصر نہیں ہے۔

یمن کے قبائل میں قَدَم، معافر (جو ہمدان یا حمیر کی شاخ ہے) حمیر اور ہمدان وغیرہ کپڑی بنتے تھے (دیکھو معجم البلدان ص ۲۵۷ لفظ قدم اور معجم البلدان ص ۲۳۳ لفظ رثام) جو قبیلہ حمیر کی بستی تھی، اور معجم البلدان ص ۲۳۹ لفظ ریدہ (جہاں ہمدانی آباد تھے) اور صفحہ جزیرۃ العرب ص ۹۹)

لہذا ان قبائل کی طرف جتنے لوگ منسوب ہیں وہ سب باندوؤں کی اولاد ہیں، یہ بھی ملحوظ رہے کہ حمیر و ہمدان اور معافر کی بہت سی شاخیں ہیں اور ان تمام شاخوں کی طرف جو قبائل ذکر لوگ منسوب ہیں ان کا شمار ناممکن ہے۔

اس سلسلہ میں یہ بتادینا بھی مناسب ہو گا کہ مدینہ منورہ کے انصار بھی یمنی الاصل ہیں، ان کو اجداد یمن سے مدینہ آکر آباد ہوئے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ انصاریوں کے متعدد گھرانوں میں بُنائی کا کام ہوتا تھا، جیسا کہ متعدد احادیث سے ثابت ہوتا ہے، اور ان میں سے بعض حدیثیں آپ اوپر پڑھ چکی ہیں۔

قتیلہ بنت قیس

یہ باعزت خاتون اشعث بن قیس کنندی صحابی کی بہن تھیں، ان کا ذکر بھی صحابہ کرام کے ذیل میں ہونا چاہیئے تھا مگر بھول سے وہاں ان کا ذکر نہیں ہو سکا،

۱۔ ان کے اندر صرف چادر بچنے والے ہیں۔ (مسود)

پہلے بتایا جا چکا ہے کہ اشعث کے والد قیس کپڑا بننے میں بڑے ماہر اور اس سے انکو بڑی دل چسپی تھی، اس کی شہادت حضرت علیؑ نے دی ہے، وہ اشعث کو حاکم بن حاکم کہا کرتے تھے، قتیلہ انھیں قیس کی بیٹی اور اشعث کی بہن تھیں، اللہ نے اس کپڑا بننے والے کو وہ عزت بخشی جس سے بڑی کوئی عزت نہیں ہو سکتی، یہ کپڑا بننے والا اس بات پر جتنا فخر کرے کم ہے کہ سردار دو جہاں اشرف انبیاء حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی لڑکی قتیلہ کو قبول فرمایا تھا، قتیلہ یمن میں تھیں اور ان کے بھائی اشعث نے ولی بن کر ان کا نکاح آنحضرتؐ سے مہینہ میں کر دیا تھا، یہ نکاح سلمہ ہجری کے آخر میں ہوا تھا، قتیلہ یمن سے ابھی رخصت ہو کر نہیں آئی تھیں کہ نصف صفر ۱۱ھ میں آنحضرتؐ کی بیماری شروع ہوئی اور ابن عبد البر کے بیان کے مطابق ۲ ربیع الاول ۱۱ھ کو آپ کی وفات سے دنیا میں اندھیرا چھا گیا۔

دوسرا بیان یہ ہے کہ وفات سے دو مہینہ پیشتر نکاح ہوا اور تیسرا بیان ہے کہ آپ کی آخری بیماری ہی میں نکاح ہوا تھا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں وصیت کی تھی کہ ان کو اختیار ہے کہ دوسری ازدواج مطہرات کی طرح ان پر بھی قانون حجاب نافذ اور حجاب قائم ہو، اس صورت میں میرے بعد کسی سے نکاح کرنا جائز نہ ہوگا۔ دوسری صورت یہ ہے کہ وہ طلاق قبول کر لیں اور جس سے چاہیں نکاح کر لیں۔ انھوں نے دوسری صورت اختیار کی اور آنحضرتؐ کے بعد انھوں نے حضرت عکرمہ (صحابی) سے نکاح کر لیا۔

بکر گھرانے میں سب سے اعلیٰ و اشرف نبی کا یہ رشتہ، ان دستکاروں کیلئے سب سے بڑا مایہ انتخار ہے۔ اور یہی اس بات کی نہایت مستحکم دلیل ہے کہ بننے والے کی بیٹی۔ ایک عربی بلکہ قریشی و ہاشمی بلکہ سب اشرف و اکرم ہاشمی کی کفو ہو سکتی ہے، اسی طرح وہ اس کی بھی کفو ہو سکتی ہے جو یہ پیشہ نہیں کرتا، اس بحث میں فقہی کتابوں سے جو نقل کیا جاتا، ہر وہ سب غلط فہمی پر مبنی ہے۔

اس مسئلہ کیلئے اس دلیل کے بعد کسی دوسری دلیل کی ضرورت نہیں ہے، پھر بھی مزید استحکام و تائید اور ایضاً کیلئے ہم اسوہ نبوی کے ساتھ خلفائے راشدین کی سنت و اسوہ

بھی پیش کرتے ہیں، اس سے مسئلہ کا دوسرا پہلو بھی سامنے آجائے گا اور وہ یہ کہ کپڑا بننے والے کا لڑکا ایک قریشی عورت کا کفو ہو سکتا ہے۔

مجمع کبیر طبرانی میں روایت ہے کہ اشعث بن قیس وفات نبوی کے بعد دین سے منحرف ہو گئے تھے، حضرت ابوبکر کے دورِ خلافت میں جب وہ گرفتار کر کے لائے گئے (اور تائب ہو کر دین کی طرف انھوں نے دوبارہ رجوع کیا) تو حضرت ابوبکر نے ان کے ہاتھ پیر کھلوائے پھر اپنی ہمیشہ ام فروہ سے ان کا نکاح کر دیا، دیکھیے یہ وہی اشعث ہیں جن کو حضرت علی حاکم بن حاکم کہا کرتے تھے، کپڑا بننے والے کا وہی لڑکا کسی معمولی عربی عورت کا نہیں بلکہ صدیق اکبر کی ہمیشہ کا کفو قرار دیا جاتا ہے۔

اس واقعہ کیلئے مجمع کبیر طبرانی جلد اول ص ۲۸۸، تصحیح اور مجمع الزوائد ص ۲۱۵ اور اصابہ ص ۱۵۱ دیکھیے، اس نکاح کا ذکر دارقطنی اور ابن السکن نے بھی کیا ہے، آخر الذکر نے یہ لکھا ہے کہ اشعث کے دو لڑکے محمد اور اسحق ام فروہ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے، اصابہ ص ۲۸۳ اور استیعاب ص ۲۸۴ میں ہے کہ دو لڑکیاں بھی پیدا ہوئی تھیں ان میں سے ایک کا نام حبابہ دوسری کا قریبہ تھا۔

حضرت ام فروہ کا یہی شرف کیا کم ہو کہ وہ صدیق اکبر کی بہن اور قریشیہ تھیں مگر وہ اس کے بھی کہیں زیادہ شرف اور برتری کی مالک تھیں، ان کا سب سے بڑا شرف یہ تھا کہ انھوں نے آنحضرتؐ سے بیعت کی تھی، اس کے باوجود ایک بننے والے کے لڑکے کو ان کا کفو قرار دیا گیا، اور قرار دینے والا وہ ہے جو اسلام میں آنحضرتؐ کے بعد سب سے اونچا مقام رکھتا ہے اور جس کی نسبت آپؐ نے سارے مسلمانوں کو حکم دیا ہے "اِقْتَدُوا بِالَّذِينَ بَعْدِيَ ابْنِ بَكْرٍ وَعُمَرُ" (وہ دونوں جو میرے بعد ہیں یعنی ابوبکر و عمر ان کے قدم بقدم چلو)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی حضرت زبیر بن العوام اور فاتح مصر حضرت عمرو بن عامر

اور امیر بصرہ کے والد ماجد حضرت عامر بن کریم

ان سب حضرات کی نسبت ابن الجوزی نے تلمیس الملبس میں اور علامہ مغرب شیخ عبدالحی کتانی نے التراتیب الاداریہ میں لکھا ہے 'کان الزبیر بن العوام وعمرو بن العاص وعامر بن کریم خزازین ای یعملون الخزوحی لخدمة من صوف وابرہیم' (تراتیب ثانی ص ۱۰۷) یعنی یہ تینوں حضرات خزاز (باندہ خزاز) تھے، خزاز اور ریشم سے بنا ہوا ایک کپڑا ہوتا ہے۔

حضرت زبیر اور حضرت عمرو کے باب میں تو کچھ بتانے کی حاجت نہیں کہ زبیر عشرہ مبشرہ میں تھے اور حضرت عمرو فاتح مصر وہاں کے گورنر اور عہد نبوی میں ایک موقع پر اس اسلامی لشکر کے سپہ سالار تھے، جس میں حضرت ابو بکر و عمر بھی شامل تھے، ہاں عامر کی نسبت کم لوگوں کو ذات ہوگی، وہ امیر بصرہ عبد اللہ بن عامر کے والد بہت عالی نسب قریشی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پھوپھی زاد بھائی تھے، جس طرح کہ حضرت زبیر پھوپھی زاد بھائی تھے انکی ماں کا نام بیضاء اور حضرت زبیر کی ماں کا نام صفیہ تھا

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نانہال میں بنائی کا کام ہوتا تھا

انصارِ مدینہ کا بھترین گھرانہ پارچہ باف تھا

تاریخ و سیر پر جن حضرات کی نظر ہے ان کو اچھی طرح معلوم ہے کہ آنحضرت کے جد امجد عبد المطلب کی نانہال مدینہ منورہ کے قبیلہ بنی نجار میں تھی، ان کی ولادت وہیں ہوئی، اور وہیں ان کی پرورش ہوئی، پھر جب آنحضرت کے والد ماجد شام کے سفر سے واپسی میں بیمار ہوئے اور مکہ آنا دشوار ہو گیا تو اپنے والد کی نانہال ہی میں رک گئے، وہاں ان کے رشتہ داروں نے دل و جان سے تیمارداری کی مگر وقت پورا ہو چکا تھا، جان بڑھ چکی تھی ان کی وفات ہوئی، اور بنو النجار ہی نے ان کی تجہیز و تکفین کی۔

عبد المطلب کی نانہال، بالواسطہ آنحضرت کی بھی نانہال ہے، اس کا احساس بنی نجار اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دونوں کو تھا۔

ایک بار آنحضرت بنی نجار کے محلے سے گزر رہے تھے تو سنا کچھ کم سن بچیاں دف بجا رہی ہیں اور یہ شعر پڑھ رہی ہیں۔

نحن جواد من بنی النجار یا حبذا محمد من جاس

آنحضرت نے سن کر فرمایا۔ اللہم بارک فیہن (جمع الزوائد ص ۲۲) اے اللہ تو ان میں برکت دے۔ میں سمجھتا ہوں یہ بچیاں اسی احساس کے ماتحت فخریہ طور پر یہ شعر پڑھ رہی تھیں۔ اور شاید اسی خصوصی تعلق کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی پوشاک (اپنے استعمال کے کپڑے) بنی نجار ہی کے یہاں بنواتے تھے۔ اور جلد تیار کرنے کا تقاضا کرنے کے لئے خود جایا کرتے تھے۔

حافظ ابوالشیخ امبہانی (المتوفی ۸۶۹ھ) نے اپنی کتاب اخلاق النبی میں سند کے ساتھ یہ حدیث روایت کی ہے۔

کان لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
ثوبان ینسجان فی بنی النجار وکان
یمخلف الیہما، یقول: عجلوبہما
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو کپڑے
بنی نجار کے یہاں بنے جا رہے تھے۔ اور
آپ بار بار ان کپڑوں کو دیکھنے جاتے تھے

علینا نتجمل بہما فی الناس (۱۳) فراتے ہو و عابدی تیار کر کے دوا کو پہن کر اچھی ہیئت میں لوگوں سے ملنا ہے۔

اس حدیث کو حافظ ابوالشیخ کے واسطے سے حافظ ابوسعید سمعانی (المتوفی ۵۶۲ھ) نے ادب اللہ والاسملاء میں بھی ذکر کیا ہے۔

حافظ ابوالشیخ نے حضرت سہل بن سعد کی روایت سے یہ حدیث بھی بیان کی ہے کہ ایک بار آنحضرتؐ کے لئے بھیر کی اون کا ایک جُبہ سی کر تیار کیا گیا، آپ نے اس کو پہنا تو ایسا پسند کیا کہ دوسرا کپڑا اتنا پسند نہیں کیا اس کو ہاتھ سے چھوتے تھے اور فرماتے دیکھو کتنا اچھا ہے۔ اتنے میں ایک اعرابی (بدو) آیا اس نے کہا حضرت! یہ جبہ مجھے عنایت فرادیکھئے۔ حضرت نے دیدیا اور ویسا ہی دوسرا کپڑا بننے کا حکم دیا۔ مگر اس کو زیب تن کرنے کی نوبت نہیں آئی اسلئے کہ وہ ابھی کارخانہ میں تیار ہی ہو رہا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔ (اخلاق النبی ص ۱۲)

یہ کارخانہ محاکم بھی غالباً بنی نجار کا تھا، ورنہ بنو ساعدہ کا رہا ہوگا جو بنی نجار ہی کی طرح خزرج کی ایک شاخ ہے، اس لئے کہ اس کے راوی سہل بن سعد ساعدی ہیں اور وہ اس کو جس واقفیت اور دقت کے ساتھ بیان کرتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے ان کا قریب کا تعلق ہے اس کا ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ صحیح بخاری میں جو یہ حدیث مذکور ہے کہ ایک انصاری خاتون ایک کپڑا لائیں اور عرض کیا کہ حضرت! میں نے اس کو اپنے ہاتھ سے اس لئے بنا ہے کہ آپ کو پہناؤں۔ تو اس کے راوی بھی حضرت سہل بن سعد ہی ہیں۔ بہر حال یہ تحقیق طلب ہے کہ جس (محاکم) کا یہاں ذکر ہے وہ کس قبیلہ میں تھا، یہ تو یقینی ہے کہ وہ کارخانہ انصاری کا تھا۔

بنو النجار کے اعلیٰ درجہ کی شرافت کا اس سے بہتر معیار اور کیا ہو سکتا ہے کہ وہ اشرف قریش عبدالمطلب کے کفو، اور رشتہ ازدواج کے لئے قریش کے ہمسرے تھے۔

اور اس سے بھی بڑا شرف و فضل ان کو یہ حاصل تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے حق میں بروایت انس رضی اللہ عنہ یہ فرمایا۔ الا خبرکم بخیر دور الانصار قالوا بلی یارسول اللہ، قال بنو النجار۔ (ترمذی ص ۲۶)

اور بروایت ابی اسید ساعدی یہ الفاظ فرمائے۔ خیر دور الانصار، دور بنی النجار
(حوالہ سابق) اور حضرت جابر کی روایت میں یہ فرمایا: خیر دیار الانصار دور بنی النجار
(ترمذی ص ۲۴۲) تینوں حدیثوں کا حاصل یہ ہے کہ انصار کے قبیلوں اور گھرانوں میں سب سے بہتر
گھرانہ بنو نجار کا ہے۔

کپڑا بننے والی ایک اور صحابیہ

قبیلہ طفادہ کے ایک صحابی فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک گھر کی طرف اشارہ کر کے
فرمایا کہ اس گھر میں ایک عورت تھی ایک دفعہ مسلمان لڑائی میں جانے لگے تو وہ بھی ساتھ چلی گئی وہ گھر پر بارہ بکریاں
اور ایک اوزار جس سے وہ کپڑا بنتی تھی چھوڑ کر گئی تھی جب واپس آئی تو ایک بکری اور وہ اوزار غائب تھا۔
اس نے کہا کہ اے پروردگار تو نے تو ذمہ داری لی ہے کہ جو تیری راہ میں نکلے گا تو اس کی چیزوں کی حفاظت کرے گا۔
اور یہاں میری بکری اور میرا اوزار گم ہو گیا لہذا میں تجھ سے اپنی گمشدہ چیزیں مانگتی ہوں، اس نے جس شدت
اور الحاج سے مانگا تھا اس کی کیفیت بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر کی، پھر فرمایا کہ جب صبح ہوئی تو ایک
کے بجائے ویسی ہی دو بکریاں اور دو اوزار موجود تھے، یہ کہہ کر حضرت نے فرمایا کہ وہ سامنے گھر موجود ہے تم خود اس
عورت سے جا کر پوچھ لو، ان صحابی نے عرض کیا کہ حضرت اس کی ضرورت نہیں میں آپ کی تعذیب کرتا ہوں۔

(مسند احمد و مجمع الزوائد ص ۲۴۴)

مَعَاذِی حَضْرَاتِ

صحابہ و تابعین و تبع تابعین میں اور ان کے بعد بکثرت حضرات قبلہ معاف سے تعلق رکھتے ہیں، ان سب حضرات کو فرداً فرداً ذکر کیا جائے تو بہت زیادہ طوالت ہوگی، اس لئے تفصیل میں جانیکے بجائے ہم اس اجمالی بیان پر اکتفا کرتے ہیں کہ معاف قبیلہ ہمدان کی ایک شاخ ہے، اور یہ لوگ یمن میں جہاں سکونت پذیر تھے اس کو بھی معاف کہتے تھے، اور جو کپڑے تیار کرتے تھے ان کو بھی معاف اور معافی کہتے تھے (معجم البلدان ص ۲۵۹)

پھر معاف کی بھی بہت سی شاخیں ہیں از انجملہ بنو قرقہ ہیں جو مصر کے دو محلوں قرقہ کبریٰ و قرقہ صغریٰ ہیں اور اسکندریہ کے محلہ قرقہ میں آباد تھے، یہ سب باقندوس کی اولاد تھے، خلاصۃ الاثر میں ہے کہ بنو قرقہ معاف بن یعفر کی ایک شاخ ہیں (ص ۱۱۷) اور بنو ناشر بھی معافی ہیں تبصیر المنتبہ میں ہے ناشر حمی من المعاف

مَعَاذِ کَاتَمَعَانِ شَرِافَتِ

اور ان کی بافتدگی کا ثبوت حدیث سے

مسند احمد ص ۳۸۵ اور الاسماء والکنی للذی ولابی ص ۱۲۰ اور مجمع الزوائد ص ۱۱۵ میں حضرت ابو ثور فہمی روایت ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کوئی معافی کپڑا لایا گیا تو حضرت ابوسفیان نے کہا لَعَنَ اللَّهُ هَذِهِ الثَّوْبَ وَلَعَنَ مَنْ يَعْمَلُهُ هَذَا اس کپڑے کو اور جو اس کو بنانا ہے اس کو لعنت کرنے، یہ سنکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَا تَلْعَنُوهُمْ فَإِنَّهُمْ مِنِّي وَأَنَا مِنْهُمْ ان پر لعنت نہ کرو اس لئے کہ وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔ اس حدیث کو تھیمی نے نقل کر کے لکھا ہے کہ اس کو طبرانی نے بھی روایت کیا ہے اور احمد و طبرانی دونوں کی سندیں حسن ہیں، معافی حضرات کے لئے یہ سب بڑا سرمایہ عزت و افتخار ہے۔

کتب رجال و تذکرہ میں بکثرت معافی حضرات کا ذکر پایا جاتا ہے اگر ان رب کو یکجا کر دیا جائے تو ایک متقل

کتاب تیار ہو سکتی ہے، مثلاً علیہ بن محمد ابوالامیہ معافری صحابی جو فتح مصر میں شریک تھے اور سب سے پہلے انھیں نے مصر میں قرآن کی تعلیم دی، واہب بن عبد اللہ معافری، عبد الرحمن بن شریح معافری، ولید بن مغیرہ معافری، قرقہ بن عبد الرحمن معافری، ان کے دادا حیوئل معافری، عامر بن یحییٰ معافری، بکر بن عمرو معافری، یحییٰ بن فافر معافری، محمد بن صالح قحطانی معافری وغیرہ، جن کے حالات تاریخ بخاری، اصابہ، تہذیب، اور لباب وغیرہ میں مذکور ہیں اور متاخرین میں قاضی ابوبکر بن العربی شارح ترمذی، وابن ہشام مصنف سیرۃ مشہورہ، ابوعمر طلحہ لکھی، علامۃ الخرب ابوالحسن علی بن محمد معافری، طاہر بن مفوز معافری حافظ حدیث اور ان کے بھتیجے محمد بن حیدرہ حافظ حدیث۔

شیخ ابوبکر بن عبد اللہ طوسی نساج (بافندہ)

آپ دلی کامل اور بڑے پایہ کے عارف باللہ تھے، آپ کو شیخ ابوالقاسم گورگانی سے شرف بیعت اور ابوبکر دیوڑی سے فیض صحبت حاصل تھا، آپ نے ابتدائے کار میں سخت سخت مجاہدے کئے مگر مشاہیر جمال باریہ نصیب نہ ہوا تو بارگاہِ احدیت میں نالش کی غیب سے آواز آئی ”نساج بادرہ طلب قناعت کن ترابا یافت چہ کار“ آپ کے چند اقوال تبرکاً نقل کئے جاتے ہیں :-

(۱) آپ نے پوچھا گیا کہ محبوب کا دیدار کیسے کیا جاسکتا ہے تو فرمایا ”بیدیدہ صدق در آئینہ طلب“ (۲) فرماتے ہیں ”تصور آب تشنگی۔ نشاندہ فکرت آتش گرمی زنجشہ ودعوی طلب بمطلوب زمراندہ (۳) تاہستی مہوم سوختہ نشود دیدہ دل بسوزن غیرت از غیر او دوختہ نشود خلوت خانہ جان بشمع تجلیات جاناں افرختہ نگرہ دوزیر کہ تخم در زمین کاشتہ نکارند و نقش بر کاغذ نگاشتہ تنگازند“ (۴) آپ نے بارگاہِ احدیت میں عرض کی الہی ما الحکمۃ فی خلقی خداوند در آفریدن من چہ حکمت است، جواب آیا الحکمۃ فی خلقک رؤیائی فی مرآۃ دوحک و محبتی فی قلبک گفت حکمت آنست کہ جمال خود را در آئینہ روح تو بنیم و محبت خود در دل تو علامہ شیخ احمد غزالی برادر حجت الاسلام محمد غزالی کو آپ سے شرف بیعت حاصل تھا، (نقحات الانس)

۱۔ طلب کے آئینہ میں سچائی کی آنکھ سے تصور نہ کیا جائے پانی کا تصور تشنگی نہیں بھٹا، آگ کی فکر گرمی نہیں بجھتی اور طلب کا دعویٰ مطلوب نہیں پہنچاتا (معدود) ۲۔ جب تک کہ مہوم و جود کو حبلانہ دیا جائے اور قلبی بصیرت کو اس کے ماسوا سے غیرت کی سوئی کے ذریعہ سیر نہ دیا جائے، دل کا خلوت خانہ محبوب کے جلوں سے روشن نہیں ہوتا، کیونکہ کاشت شدہ زمین میں بیج نہیں ڈالا جاتا اور کھسے ہوئے کاغذ پر لکھا نہیں جاتا۔ (معدود) ۳۔ اے میرے خدا میری تخلیق میں کیا حکمت ہے (معدود) ۴۔ تیری تخلیق میں حکمت یہ ہے کہ تیری روح کے آئینہ میں اپنا جمال اور تیرے دل میں اپنی محبت دیکھوں۔ (معدود)

اور صاحب تاریخ السوال نے بھی آپ کا مختصر تذکرہ لکھا ہے۔

شیخ ابوالعباس حسرار

احمد بن ابی بکر نام تھا، اصلاً تجیبی تھے اشبیلیہ میں نشوونما پائی، اندلس کے عربوں میں تھے اشبیلیہ میں ایک بزرگ کی صحبت میں رہے جن کو لوگ ابوالعاص کہہ کر پکارتے تھے، وہ امام و محدث تھے بڑی محنت سے ان کی خدمت کی، اور ان کی نیز دوسرے فقرار کی خدمت سے نفع پایا، تا آنکہ سیدی جعفر اندلسی کا نام سنا تو ایک جماعت کے ساتھ اشبیلیہ سے ان کی طرف ہجرت کی، جب اندلس پہنچے تو ایک گروہ نے کہا کہ ہم ابن المرأة سے ملیں گے، یہ ایک شخص تھا جس نے نبوت کا دعویٰ کیا تھا، مگر ابوالعباس حسرار نے کہا کہ میں نے تو صرف ابوالاحمد جعفر کی وجہ سے ہجرت کی ہے، یہ سنکر دوسروں نے بھی ان سے اتفاق کیا اور ان کے ساتھ سیدی ابوالاحمد کی خدمت میں حاضر ہوئے وہاں پہنچے تو دیکھا کہ بڑا عظیم الشان مجمع اکٹھا ہے اور بیشمار آدمی جمع ہیں۔ متعدد چوہدار مقرر ہیں جن کو مختلف کام الگ الگ سپرد ہیں یہ لوگ پہنچے تو چوہداروں نے ان کو سیدی ابوالاحمد کے سامنے ایک صف میں کھڑا کیا، شیخ نے ان پر ایک نظر ڈالی اور فرمایا کہ لڑکا مکتب میں جب معلم کے پاس سادی تختی لیکر آتا ہے تو اس پر معلم کچھ لکھ دیتا ہے لیکن تختی نکلی ہوئی ہو تو معلم کہاں لکھے گا لہذا جو آیا ہے واپس جائے۔

اس کے بعد ایک بار نظر ڈالی اور فرمایا کہ جو ایک پانی کے سوا دوسرا پانی نہیں پیتا اس کا مزاج خراب ہونے سے محفوظ رہتا ہے لیکن جو مختلف پانی پیتا ہے تو اس کا مزاج تغیر سے خالی نہیں ہوتا۔ یہ ان لوگوں کی طرف اشارہ تھا جن لوگوں نے یہاں آنے میں کسی اور سے بھی ملنے کی نیت کی تھی، شیخ ابوالعباس فرماتے ہیں کہ میں اللہ کا شکر بجالایا کہ اس نے مجھ کو محفوظ رکھا اور میں ایک ہی کی نیت کر کے آیا تھا، پھر سیدی ابوجعفر نے چوہداروں کو اشارہ کیا وہ کھڑے ہوئے اور میرے ساتھیوں کو واپس جانے کا حکم دیا اور مجھ کو تنہا ایک ایسے مکان میں جہاں شیخ کے مریدوں کی ایک جماعت تھی لیکئے، میں نے دیکھا کہ وہاں چار سو جوان ہیں سب کی عمر پندرہ برس تھی اس کے بعد شیخ ابوالعباس نے شیخ ابوجعفر کے حکم کے خلاف مجلس سماع قائم کرنے پر ان جو ان کی گرفتاری پھر رہائی کا قصہ بیان کیا ہے اور شیخ ابویوسف دہمانی اور شیخ ابوعبداللہ قرشی کی خدمت و صحبت میں رہ چکا ذکر کیا ہے۔

سناوی نے تحفۃ الاحباب میں لکھا ہے دکان ینجم الحریہ السقلاطونی فسمی بالحرار یعنی شیخ ابو العباس
سقلاطونی ریتی کپڑے بننے تھے اس لئے ان کو حرار کہتے تھے (صفحہ ۲۸۵)

امام ابو عسلی مرزوقی

نام و نسب | احمد بن محمد بن الحسن، کنیت ابو علی، وطن اصفہان ہے، علم نحو و دیگر فنون عربیت بالخصوص لغت
میں نیز ایام و عادات عرب کی واقفیت میں ان کو امامت کا درجہ حاصل تھا، علامہ سیوطی نے بغیۃ الوعاة میں
ان کو امام کے لقب سے یاد کیا ہے اور فرمایا ہے کہ وہ حد درجہ ذکی و تیز فہم تھے، حسن تصنیف، ہر مسئلہ پر زور دار
دلائل قائم کرنے اور حسن انتخاب کا ملکہ ان کو بدرجہ اتم حاصل تھا، ان کی تصنیفات میں جو خوبی و عمدگی و خوش
سلیقگی ہے اس سے زیادہ ممکن نہیں ہے، ابو علی فارسی کے آگے زانوئے تلمذ تہ کیا، استغنا کا یہ عالم تھا کہ صاحب بن
عباد (وزیر دولت و ملیہ) ان کے پاس آیا تو اس کی تعظیم کو کھڑے نہ ہوئے، اسی لئے جب وہ وزارت کے منصب
پر فائز ہوا تو ان سے بڑی بے اعتنائی برقی (بغیۃ صفحہ ۱۵۹) یحییٰ بن مندہ نے لکھا ہے کہ ابو علی مرزوقی سے سعید بقال
نے حدیث لکھی ہے اور ان کو اپنے معجم میں ذکر کیا ہے (معجم صفحہ ۳۴)

تصنیفات | سیوطی نے ان کی تصنیفات میں شرح ہمار، شرح فصیح، شرح مفضلیات، شرح اشعار ہذیل،
شرح موجز کے نام لئے ہیں۔

کتاب الازمنہ کا تعارف | یا قوت نے کتاب الازمنہ کو بھی ان کی تصنیفات میں شمار کیا ہے، کتاب الازمنہ
دائرۃ المعارف حیدرآباد (دکن) کی طرف سے ۱۳۳۲ھ میں پھسکر شائع ہو چکی ہے اور اس وقت تک زیر نظر
ہے، مقصد تصنیف زمان و مکان کی ماہیت اور ان کے احوال و اسماء و صفات اور دیگر متعلقات کا بیان
کرنا ہے، ابتدا میں ایک مستقل باب ان آیات کی تفسیر و تفسیر کے لئے مخصوص ہے جن میں رات دن یا ان کے
کسی جزر کا یا آفتاب و ماہتاب کا یا آسمان و زمین کا یا ابر و باد کا ذکر ہے، اس باب میں کلمات قرآنی کی لغوی
تحقیق جس عمدگی سے کی ہے، مخالف سے مخالف اس کو دیکھ کر ان کی امامت کا علانیہ اعتراف کئے بغیر نہیں رہ سکتا
اس سلسلہ میں بہت سے مسائل کلامیہ پر بھی نہایت متین و تشفی بخش کلام کیلئے اور اہل زیلع کے خیالات
کا بطلان قوی دلائل سے واضح کر دیا ہے۔

اس کے بعد مختلف ابواب میں جن کی کل تعداد ۶۳ ہے، زمانہ کی ماہیت اس باب میں حکما کے

خیالات اور ان کا دو زمانہ کی ابتدا، اس کے اقسام، مختلف اقوام و مل کے خیالات کی رو سے سال کا آغاز عربی فارسی اور رومی مہینوں کے نام، اور ان مہینوں کے دنوں کا شمار، سال کے فصول و موسم، ان کی تحدید انسان کے آثار، بارش کے اوقات، پختروں کی تعداد، اور ہر ایک پختہ میں بارش کی کیفیت، آسمان کے دوازده بروج اور ان میں آفتاب کے وقت حلول و غیرہ کی تعیین و تحدید، کو اکب مشہورہ کے محل وقوع اور ان کے ذریعہ سے سمت قبلہ و غیرہ کی معرفت، اور اس قسم کے دوسرے صد ہا مباحث پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ اور ان تمام مباحث میں خصوصیت کے ساتھ اہل عرب کے معلومات و تجربات کو بڑے اہتمام سے بیان کیا ہے۔ اور استشہاد میں شعراء عرب کے ہزاروں شعر پیش کر کے، عموماً ان اشعار کی شرح بھی کی ہے۔

ان مباحث کے علاوہ ایک نہایت مفید و نادر مضمون جو عربی زبان سے شغف رکھنے والوں کے لئے بہت زیادہ قابل توجہ اور لائق مطالعہ ہے، اور جو اس تحقیق و جامعیت کے ساتھ دوسری کسی کتاب میں بمشکل دستیاب ہو سکتا ہے، یہ ہے کہ عربی زبان میں زمان و مکان سے متعلق جس قدر بھی الفاظ و ترکیب ہیں ان سب کی لغوی تشبیح، نحوی اعراب ان کے مشتق اور جمعیں اور ان رب کے لئے کلام عرب سے شواہد ایسے حیرت انگیز طریقہ پر بیان کئے ہیں کہ اس کو دیکھ کر بڑے سے بڑا عالم بھی ششدر رہ جائے گا۔

یہی وجہ ہے کہ سید ابراہیم بن سید عباس رضوی نے اس کتاب کی نسبت اپنی عقیدت کا ان الفاظ میں اظہار کیا ہے وقد تأملتہ و تصفحتہ من اولہ و آخرہ فرایتہ باکورۃ ذہر و ماثورۃ عصرہ، تبخل بمثلہ الایام ویتاح دونینلہ نفوس الاعلام نکان الشاعر فیہ قال

ہیہات لایاتی الزمان بمثلہ ان الزمان بمثلہ لبغیل
دایم اللہ انہ لکتاب جل ان تذکر غایتہ و عزان تنال ذر ذلہ۔ اور مصنف کتاب کو ان الفاظ

لہ (ترجمہ) میرے اس کو بغور پڑھا اور از اول تا آخر اس کا مطالعہ کیا تو میں نے اسے نادرۃ روزگار پایا۔ جس کی نظیر زمانہ مشکل ہی سے پیش کر سکتا ہے، وہاں تک پہنچنے سے بلند ترینے افسردہ بھی قاصر رہ جاتے ہیں، شاعر کا قول ہے، ”بہت مستعد ہے کہ زمانہ اس کا مثل پیش کر سکے زمانہ اس جیسے کے معاملہ میں بہت بخیل ہے“
مخداوہ ایسی کتاب ہے جس کی غایت اور بلندی تک پہنچنا بہت مشکل کا ہے۔ (مسعود)

سے یاد کیا الامام المحقق الہمام المدقق شیخ المہند سین ورحلۃ المنجمین اسوۃ الاولیاء و قدوة العلماء
..... الفاضل الجلیل الحوی بانواع التفضیل والتجلیل مدید البال سدید الخیال - وسیع الصدر

رفیع القدر (خاتمہ کتاب الازمنۃ ص ۳۹۷ و ۳۹۸)

کتاب الازمنہ کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ امام مرزوقی کو فن ہدیت میں بھی بے نظیر مہارت حاصل
تھی اس مہارت کا کافی ثبوت اصفہان کے سایہ اصلی کا وہ جدول ہے جو انھوں نے ۱۲۰۳ھ بزمی میں تیار کیا
ہے اس میں پورے سال کے بارہوں مہینوں میں نصف النہار کے وقت جتنا سایہ ہوتا ہے اس کی مقدار
اقدام کے حساب بتائی ہے (دیکھو کتاب الازمنہ ص ۲۹) کتاب الازمنہ کی تصنیف سے پختہ ۱۳۰۳ھ جاری لاخری
۱۲۵۲ھ کو فراغت حاصل ہوئی جیسا کہ اس کتاب کے آخر میں خود مصنف نے تصریح کی ہے۔

دوسری تصنیفات | اس کے علاوہ مرزوقی کی اور کوئی تصنیف ہماری نظر سے نہیں گذری، شرح حمار
کی نسبت البتہ معلوم ہوا ہے کہ وہ شام میں بڑے اہتمام سے طبع ہو رہی ہے۔

اور کچھ شبہ نہیں کہ وہ بڑی محققانہ شرح ہے اس سے اکابر محققین بھی بے نیاز نہ تھے
علامہ تفتازانی نے مختصر المعانی میں ایک شعر کے حل کے لئے امام مرزوقی کا حوالہ دیا ہے اور یاقوت نے اس کی
نسبت لکھا ہے اجد فیہ جدا (یعنی سجد عمدہ لکھا) کتاب الازمنہ میں مصنف نے اپنی ایک کتاب
عنوان الادب کا بھی ذکر کیا ہے۔

امام مرزوقی کی قومیت | شاید یہ بات تعجب سے سنی جائیگی کہ امام موصوف حاکم (بانشہ) تھے، امام سیوطی
اور یاقوت نے صاحب بن عباد (وزیر دولت ولیمہ) کا مقولہ نقل کیا ہے کہ اصفہان کی سرزمین سے صرف تین
عالم اٹھے، ایک حاکم تھے، دوسرے اسکات، تیسرے علاج، حاکم ابوعلی مرزوقی تھے، اسکاف ابوعلیہ
خطیب، اور علاج ابو منصور (یعنی صلیٰ معجم الادبار ص ۳۸) صاحب کے اس مقولہ سے بھی ابوعلی کی علمی جلالت
اور ان کے فضل و کمال کا پایہ عالی سمجھا جاسکتا ہے۔

آسمان علم و فضل کا یہ نیزنایاں ذی انجہ ۱۲۰۳ھ میں غروب ہو گیا، یہ سن وفات سیوطی نے لکھا ہے لیکن
کتاب الازمنہ کی تصنیف سے فراغت کا جو سن کتاب الازمنہ کے آخر میں لکھا ہوا ہے اس میں اگر کوئی تصرف
نہیں ہوا ہے تو سیوطی کا لکھا ہوا سن وفات یقیناً غلط ہے مگر ان کا سن وفات یاقوت وغیرہ نے بھی ۱۲۵۲ھ
ہی لکھا ہے۔

۱۲ چھپ کر آئی ہے اور ہم نے جسے جسے اس کو دیکھا ہے۔

حرار احمد بن ابی بکر تجیبی اشبیلی

شیخ یوسف بنہانی نے ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ اندلسی عرب تھے اور متغلاطینی لیشمی کپڑا بنتے تھے اس لئے ان کو حرار کہتے تھے اس کے بعد وہی قصہ ذکر کیا ہے جو صلا پر شیخ ابوالعباس حرار کے تذکرے میں آپ پڑھ چکے ہیں، دیکھئے جامع کرامات الاولیاء ص ۲۷ مگر ہمارے نزدیک اس میں شیخ یوسف بنہانی سے چوک ہوئی ہے۔

شیخ احمد سفید باف

ملفوظات شیخ المشائخ حضرت سلطان نظام الدین اولیاء میں ہے کہ شیخ احمد سفید باف مدتوں آدمیوں سے بالکل کنارہ کش رہے، اور جب آدمیوں سے ملنے لگے تو کسی سے بات نہیں کرتے تھے ایک زمانہ تک یہی کیفیت تھی، کسی محرم زاد نے ایک دن کہا کہ جب آدمیوں میں آئے ہیں تو بات کیوں نہیں کرتے، فرمایا کس کی بات کروں مکوں کی یا مکوں کی، مکوں (خالق کائنات) بات میں سنا مانہیں یعنی بیان میں آسکتا نہیں، اور مکوں (مخلوق) اس لائق نہیں کہ اس کی بات کی جائے، سلطان جی فرماتے ہیں کہ ان کی یہ رباعی بھی سننے میں آئی ہے

تامن بمبیاں رسول نیایم با تو تنہا زہم جہان من و تنہا تو
خورشید نخواہم کہ بر آید با تو آئی بر من سایہ نباشد با تو

شیخ احمد بن حسین ابوبکر زاہد شیرازی

شیراز کے مشہور عابد ہیں اور ان کی بہت سی کرامتیں منقول ہیں، شیخ ابو عبد اللہ خفیف کے معاصر ہیں امدان دونوں بزرگوں میں تقویٰ و تودرے کے باب میں بہت سے مکالمات ہوئے ہیں۔

لے (ترجمہ) جب تک کہ میں تیرے ساتھ رسول کے درمیان نہ آؤں، میں اور تو تمام دنیا سے تنہا ہوں گے میں نہیں چاہتا کہ تیرے ساتھ سورج آئے، تو جب آئے تو میرے اوپر سایہ نہ ہو۔ (مسود)

منقول ہے کہ شیخ ابو عبد اللہ خفیف کو ایک دفعہ انگور کی ایک شاخ راستہ میں مل گئی اس کو انھوں نے اٹھا لیا اور گھڑی بجا کر اس کو گاڑ دیا پھر وضو کا بچا ہوا پانی اس میں دیتے رہے تا آنکہ انگور پھلنے لگا، ایک دن انھیں انگوروں کا ایک خوشہ شیخ احمد کے پاس بھجوایا تو انھوں نے نہیں کھایا اور کہا کہ جب مجھ کو یہ معلوم نہیں کہ اس شاخ کی اصل دنیا کیسی اور کیا ہے تو اس کو میں کیسے کھا سکتا ہوں۔

شیخ احمد کچھ کپڑا اپنے ہاتھ سے بٹن لیتے تھے اور یہی ان کا ذریعہ قوت تھا، ان کا معمول تھا کہ تانے یا بانے میں جہاں ٹوٹے ہوئے دھاگے کو جوڑتے تھے وہاں سرخ نشان لگا دیتے تھے۔ ایک دفعہ کسی معاملہ میں شہادت دینے کے لئے گئے اس وقت انھوں نے اپنے عمامہ پر کچھ دھاگے لپیٹ رکھے تھے، قاضی نے ازراہ امتحان ان سے سوال کیا کہ آپ کے سر پر کیا ہے انھوں نے سر سے عمامہ اتار کر انگور دیکھ کر کہا کہ عمامہ ہے جس پر کچھ دھاگے لپٹے ہیں، قاضی نے یہی سوال کیا تو انھوں نے پھر عمامہ سر سے اتار کر ارد دیکھ کر کہا کہ عمامہ ہے اور اس پر کچھ دھاگے لپٹے ہیں، قاضی نے کئی دفعہ ایسا ہی کیا اور انھوں نے ہر بار عمامہ اتار کر ارد آنکھ سے دیکھ کر جواب دیا تو قاضی نے بڑی مغذت کی — جس زاویہ میں رہتے تھے اس کی کڑیاں بہت پتلی اور ٹوٹی سی تھیں، جب کوئی کڑی پھٹ یا ٹوٹ جاتی تو اس کے نیچے ایک دوسرے رکھ دیتے ان کی ہاتھ کی برکت سے وہ ٹھیک ہو جاتی، جب ان کی وفات کا وقت قریب آیا تو انھوں نے وصیت کی کہ میرا جنازہ نکلنے کو پہلے سب لوگ اس کو ٹھہری سے باہر ہو جائیں۔

چنانچہ لوگوں نے ایسا ہی کیا اس کے بعد جیسے ہی اس میں سے جنازہ نکالا ویسے کو ٹھہری پرست ہو گئی۔ بعد میں لوگوں نے اس کو از سر نو بنوایا اور وہ جگہ صلیحہ سے مدینوں آباد رہی، اس میں تلاوت و ذکر اور نماز کے لئے لوگ جمع ہوتے تھے، ۳۶۷ھ میں ان کی وفات ہوئی، ان کا مزار شیراز میں مشہور ہے (شد الاذکار مطبوعہ ایران) شیراز نامہ مطبوعہ ایران میں بھی ان کا ذکر ہے۔

مولانا حاجی حافظ محمد اسماعیل بناری

مولوی خلیل الرحمن ناظم مدرسہ منظر العلوم بنارس کے والد بزرگوار تھے، مولانا فارغ التحصیل صاحب بناری خلیفہ شاہ احمد سعید مجددی کے شاگرد رشید اور نہایت جمید عالم تھے، فاتحہ خلت الامام کے مسئلہ میں ان کا رسالہ درۃ النظام ان کے علم و فضل کا بین ثبوت ہے، ان کی وفات ۱۲۹۷ھ میں ہوئی۔

نرمہ الخواطر میں بھی ایک مفتی محمد اسماعیل بنارس کا ذکر ہے، ان کا سال وفات ۱۳۵۲ء ہے، اگر وہ یہی مولانا اسماعیل ہیں تو سال وفات تحقیق طلب ہے۔

مولانا اصغر حسین بہکاری پرنسپل مدرسہ شمس الہدیٰ

ابتداءً مدرسہ اسلامیہ بہار شریف میں تعلیم پائی اور تکمیل دارالعلوم دیوبند میں کی امیر شریعت مولانا محمد سجاد صاحب کے شاگرد تھے۔ اور حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن کے مشکوٰۃ علم و عمل سے اقتباس فرمایا تھا، فراغت کے بعد مدرسہ اسلامیہ بہار میں تدریس کی مسند پر جلوہ فرما ہوئے اور یہیں سے مدرسہ شمس الہدیٰ (پٹنہ) گئے اور حاجی معین الدین ندوی کے بعد اس کے پرنسپل مقرر ہوئے، ریٹائر ہونے کے بعد اپنے وطن میں تبلیغ دین و تصنیف و تالیف میں مصروف رہے، سوال و جواب کی شکل میں ترمذی کی ایک مختصر مفید شرح نزل الثوی (عربی و اردو) اور حجاز کا سفر نامہ بنام ارمغان حجاز اور تمہید تفسیر قرآن اور مقدمہ تفسیر قرآن آپ کی تصنیفات میں سے شائع ہو چکے ہیں۔ ذی الحجہ ۱۳۸۷ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔ (معارف نومبر ۱۹۶۹ء)

ابو بکر بن عبد البر بن محمد موصلی شافعی

شذرات الذہب میں ان الفاظ کے ساتھ ان کا ذکر کیا گیا ہے۔

| | |
|--|---|
| الشیخ الامام القدوة الزاهد العابد | شیخ، امام، مقتدا، صاحب زہد و عبادت و خشوع عباد و کبار |
| المناسخ العالم الناسک الربانی بقیۃ مشائخ الصوفیۃ | ربانی عالم، یادگار مشائخ صوفیہ، جلیل وقت۔ |
| ۳۳۸ ج ۲ | وجیل الوقت |

ان الفاظ میں ان کا تعارف کراتے کے بعد لکھا ہے کہ پہلے پہل جب وہ موصلی سے قدس (شام) آئے تو قیبات میں انہوں نے سکونت اختیار کی، اور ایک زمانہ دراز تک مبنائی کا کام کرتے رہے، اسی کے ساتھ علم دین کی تحصیل اور تصوف و سلوک کے منازل بھی طے کرتے رہے، مدتوں شیخ قطب الدین کی صحبت میں رہے، تصوف کی کتابوں کے ساتھ حدیث کی کتابوں کا مطالعہ بھی جاری تھا۔

چنانچہ ان کو بکثرت حالیہ شہیں انہیں جن کو وہ ان کے راویوں کے نام کے ساتھ ذکر کرتے تھے، فقہ

اور فقہاء کے کلام پر بھی ان کو اچھا خاصا عبور تھا، انھوں نے اپنے وطن ہی میں قرآن پاک پڑھنے کے بعد فقہ کی کتاب حادی یاد کر ڈالی تھی، شام آکر تنبیہ یاد کی، اس کے بعد انھوں نے طلبہ کو پڑھانا اور ان کی تعلیم و تربیت شروع کی، شدہ شدہ ان کے صلاح و تقویٰ کی شہرت ہوئی اور ان کے بہت سے مریدین پیدا ہو گئے کچھ دنوں کے بعد دور دور دور ان کا شہر پہنچ گیا، اور ملک شام کے وندرام اور صوبوں کے گورنران کی خدمت میں حاضری دیتے لگے اور ان کا حکم بجالانے لگے، اسی شمار میں ایک دفعہ وہ چلے سے مصر چلے گئے انہوں نے کئی باسج کیا۔

ابن حجر نے لکھا ہے کہ انھوں نے بہت حج کئے تھے، پھر بادشاہ تک ان کا شہر پہنچا اور وہ بھی انکو بہت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھنے لگا، مصر کے بعد جب وہ قدس لوط کر آئے تو بادشاہ وقت الملک الخاں خود ان کے گھر پر حاضر ہوا اور جس بالاخانہ پر ان کا قیام تھا اس میں جا کر ان سے ملا اور ان کی خدمت میں بہت گراں بہانہ سامنے پیش کیا، مگر انھوں نے لینے سے انکار کر دیا، اس واقعہ کے بعد جس بات میں مسلمانوں کے نفع کی امید ہوتی اس کے بارے میں وہ بادشاہ کو لکھا کرتے تھے، اور بادشاہ خوشی سے اس کی تعمیل کرتا تھا۔

ابن حجر کہتے ہیں کہ وہ علم و عمل کے جامع تھے، اور تنبیہ اور منازل السائرین پڑھا یا کرتے تھے، اور مخصوص ایام میں وہ وعظ و تذکیر کی مجلس بھی برپا کرتے تھے، ان کی مجلسوں میں بہت بڑے بڑے علمائے اعیان مثلاً شہاب زہری اور شمس الدین صرخندی حاضر ہوتے تھے، حافظ ابن حجر نے درر کائنات میں ان کا ذکر دو جگہ کیا ہے، ایک جگہ ابوبکر بن عبد اللہ کے عنوان سے اور ایک جگہ ابوبکر بن علی بن عبد اللہ کے عنوان سے اور شذذات الذہب میں ان دونوں سے الگ ابوبکر بن عبد البر کے عنوان سے اُن کا ذکر ہے، لیکن بظاہر ابوبکر بن علی بن عبد اللہ صحیح ہے۔

سخاوی نے ابن رسلان کے حال میں لکھا ہے کہ انھوں نے ابوبکر موصلی کے ہاتھ سے بھی خرقرہ تقویٰ پہنا تھا، ابن رسلان جس پایہ کے فقیہ و محدث اور مصنف، اور جس درجہ کے باخدا بزرگ تھے اس کو معلوم کرنے کے لئے الفصول اللامع میں ان کا حال پڑھئے۔

۱۔ ان کا نام احمد بن صالح بن احمد تھا، دارالعدل کے مفتی اور شامیہ و عادیہ کے مدرس تھے، تھوڑے دن قاضی بھی رہے، کثرت تلاوت اور عبادت و تقویٰ میں ان کی شہرت تھی، فقہائے شافعیہ میں بہت بلند مرتبہ رکھتے تھے، ۹۵۰ھ میں ان کی وفات ہوئی۔
۲۔ شافعی مذہب میں امام اور علامہ تھے، نامور مصنف تھے، اپنے شہر میں نون علم کے سب سے زیادہ جامع تھے، ۹۹۱ھ میں ان کی وفات ہوئی۔

خود شیخ ابوبکر کا بیان ہے کہ میں جب مکتب میں سات برس کا تھا تو ماستہ میں جہاں کوئی پیسہ یا درہم گرا ہوا مجھے نظر آتا تھا اس کو اٹھا کر سب سے قریب گھومیں دے آتا کہ یہ تمہارے گھر کے قریب گرا تھا۔ شیخ ابوبکر موصلی کی وفات ۹۷۷ھ میں ہوئی، ان کے صاحبزادے عبدالملک و ابراہیم اور پوتے احمد بھی مشاہیر اہل علم اور مشائخ طریقت میں تھے، ان دونوں کا ذکر سخاوی نے کیا ہے۔

احمد بن عبدالملک بن ابی بکر

سخاوی نے ان کی نسبت صرف اتنا لکھا ہے کہ وہ ایک بڑے خاندان کے فرد تھے، میرے پاس اپنے ایک لڑکے کو لائے تھے جس نے مجھے منہاج، جمع الجوامع اور الفیہ سنایا، اور میں نے ان سے انکے والد کی تاریخ وفات معلوم کی، اور نجم الدین غزنی نے ذرا تفصیل سے ان کا ذکر کیا ہے، انھوں نے لکھا ہے کہ وہ دمشق و قدس کے مشائخ صوفیہ میں سے تھے اور اپنے دادا کی خانقاہ قدس اور خانقاہ دمشق دونوں کے شیخ اور سجادہ نشین تھے، قاضی القضاۃ قطب الدین خیسری کی خدمت میں تحصیل علم کی اور اپنی چچا زاد بھائی عبدالقادر بن ابراہیم کے ہاتھ سے خرقہ تصوف پہنا، ابن طولون محدث دمشقی فرماتے تھے کہ میں انکی خدمت میں جامع اموی میں بیٹھا ہوں اور ان کی صحبت سے فیض یاب ہوا ہوں انھوں نے ربانی کئی بار مجھ کو اپنی مرویات کی اجازت بھی دی ہے۔ ان کی وفات ۵۲۷ھ میں ہوئی، ان کے دادا باندگی کرتے تھے۔ ابن العما د حنبلی نے شذرات الذہب میں بایں الفاظ ان کا ذکر کیا ہے الصوفی الصالح الورع الزاہد العابد المحقق المسلك احمد مشائخ الصوفیۃ (صفحہ ۱۷۷)

ابراہیم بن ابی بکر بن عبداللہ موصلی

شیخ ابوبکر موصلی کے صاحبزادہ تھے، فی الجملہ علم فقہ میں ان کو درخور حاصل تھا، نقسوف کی طرف زیادہ رجحان تھا اس لئے انھوں نے نہایت مضبوط تدبیر کے ساتھ اسی میں کمال پیدا کیا اور اپنے

والد کے ہاتھ سے خرچہ پایا، ان کی مالی حالت بہت بہتر تھی، کسی سے کوئی نذرانہ نہیں لیتے تھے، بلکہ اپنے مریدوں کو کسی کا دیا ہوا کھانے سے منع کرتے تھے، یہی ان کے والد کا بھی طریقہ تھا، لوگ ان کے بچہ معقد تھے اسی لئے جس حاکم یا امیر کے پاس ان کا پیغام یا سفارش پہنچتی وہ شاذ و نادر ہی نامنظور ہوتی تھی۔

انھوں نے بیش جج کئے اور ہر دفعہ کچھ قیام کر کے لوگوں کو بہت نفع پہنچاتے تھے۔ سلامہ میں آخری جج کر کے واپس ہو رہے تھے کہ راستہ میں داعی اجل کو لبیک کہا اور تبوک میں مدفون ہوئے (سخادی) ان کے والد کے حال میں معلوم کر چکے ہو کہ وہ کپڑا بننے لگے۔

احمد بن محمد قاسکوری

شیخ شہاب الدین احمد بن معین الدین محمد بن الحاج علی بن معین بن سابق قاسکوری شافعی معروف بابن معین تقریباً ۱۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے، والد کا انتقال بچپن ہی میں ہو گیا، ابتدا میں بافندگی ذریعہ معاش تھا، اس کے بعد پڑھنے پڑھانے کا شوق ہوا، قرآن کریم کے بعد رجبیہ اور مکتبہ پڑھ کر قاہرہ اور اسکندریہ چلے گئے، اور برابر علم کی طلب میں لگے رہے، جو فاضل ملجأ اس سے استفادہ کر لیتے تھے، تا آنکہ نحو میں دسترس ہو گئی اور شعر کہنے لگے، علامہ ابن فہرہ وغیرہ نے ان کے جو اشعار ان سے سن کر لکھے ہیں ان میں سے ایک یہ ہے۔

کاتلمنی علی سکوتی صاح انما لذقت جہم غیر صاح
سخادی فرماتے ہیں کہ نہایت دیندار، نیک اور فقرا آشنا تھے، ان کے شہر کے لوگ ان کے بڑے مداح تھے، ۱۱۵۰ھ تک زندہ تھے۔ (ضور لائح ص ۱۵۲)

احمد بن ناصر باعونی

شیخ شہاب الدین احمد بن ناصر بن خلیفہ بن فرج بن عبد اللہ بن کحلی بن عبد الرحمن باعونی مقدسی ناصری (باعون صفد کے قریب ایک جگہ ہے اور نامرہ بھی وہیں دوسری جگہ ہے) شافعی المذہب

۱۱۵۰ھ اے ہوشمند! میرے سکون پر مجھے ملامت نہ کر۔ میں نے جب سے ان کی محبت کا مزہ چکھا ہے، مد ہوش ہوں، (سعود)

نزہل دشت، ناصرہ میں تقریباً ۱۵۰۰ میں پیدا ہوئے، اور وہیں نشو و نما پائی، اور قرآن پاک، منہاج اصول، منہاج فروع اور الفیہ بن مالک وغیرہ یاد کیا اور اپنے مفوفات تاج الدین بسکی وغیرہ کو سنائے، اور ابو جہان کے شاگرد ابو العباس سے نحو کی تفصیل کی، زعلش، ابن امیلہ اور شمس بن محب وغیرہ سے حدیث کی سماعت کی، اور نحو شغلی سیکھی،

۹۰۰ء کے بعد قاہرہ آئے اور بادشاہ مصر الظاہر برقوق نے ان کی بڑی قدر و منزلت کی دشت کے جامع بنی امیہ کا ان کو امام مقرر کیا پھر وہاں کے قاضی مقرر ہوئے، اور اپنے فرائض نہایت خوبی و دیانت سے انجام دیئے،

ایک بار بادشاہ نے عیسویوں کے مال جو ان کی نگرانی میں تھے، قرض مانگا تو انھوں نے انکار کر دیا، اس وجہ سے ۶۰۰۰ قضاے برط کر دیئے گئے، اس کے بعد ۸۰۰ء میں بیت المقدس کے خطیب مقرر ہوئے، ملک ناصر کے زمانہ میں دوبارہ قاضی دشت ہوئے۔

معاوی فرماتے ہیں کہ شہاب الدین احمد مذکور امام فائق، دیندار، صاحب فضل، آمر بالمعروف نہای عن المنکر، خوش شکل، نورانی چہرہ والے تھے، ان کی نظم و نثر دونوں فائق تھی، ۸۰۰ء میں بمقام دشت فوت ہوئے، سخاوی نے مقریزی سے نقل کیا ہے کہ ان کے باپ باعونہ کے بافندہ تھے، بعد میں یہ کام چھوڑ کر کپڑے کی تجارت کرتے تھے، اس کے بعد مقریزی نے ان کی فصاحت و بلاغت، خوش کلامی و حاضر جوابی اور عفت وغیرہ کی بڑی تعریف کی ہے (مضمر لایح ص ۲۳۲)

احمد شرابا صی فار سکوری

احمد بن شہاب الدین بن احمد بن شہاب بن عباس شرابا صی ثم فار سکوری خامی المعروف بابن الادیب، ۸۰۰ء میں تقریباً پیدا ہوئے، لکھنا نہیں جانتے تھے، با ایں ہمہ طبیعت نہایت موزوں تھی، اور شعر خوب کہتے تھے، بافندگی ذریعہ معاش تھا امام ابن فہد، بقاعی اور ابن الامام نے ۸۰۰ء میں ان کو ملکر ان کا ایک قصیدہ حاصل کیا جس کا مطلع یہ تھا۔

من ذا الذی من مقلتیہ یقینی هذا الذی اخلصت فیہ یقینی

اے کون ہے جو مجھے اس کا لگا ہوں سے بچائے گا، یہی وہ ذات ہے جس پر میں نے کامل یقین کر لیا۔
(مسود)

ان کے باپ شہاب الدین بھی ادب میں بہت شہرت رکھتے تھے (ضوالامع ص ۱۳۱)

شیخ احمد بن عمر حمای علوانی

شیخ احمد بن عمر حمای علوانی خلوقی شافعی، دراصل حماہ کے باشندہ تھے، لیکن اپنے مشائخ کی وفات کے بعد حلب میں آکر مقیم ہو گئے، اُس وقت تک بافندگی ذریعہ معاش تھا، کچھ دنوں کے بعد شیخ شمعون کی مسجد میں الفیہ، شرح قطر الندی اور منہاج وغیرہ کی تعلیم دینے لگے، سدر من پر اکتفا کرتے تھے، موٹے جھوٹے کپڑے پہنتے تھے، شیخ ابو الوفاء علوانی کے پاس مقدمات علوم حاصل کئے تھے، اور شیخ ابو الجواد کے درس تفسیر میں حاضر رہا کرتے تھے، محی نے ان کو المشیم البرکۃ (سراپا برکت بزرگ) کے لقب سے یاد کیا ہے اور یہ واقعہ بھی لکھا ہے کہ ان کے شیخ ابو الوفاء نے مسجد کے تیل کی نگرانی ان کے حوالہ کی تھی، یہ برابر بوقت ضرورت بسم اللہ کر کے تیل دیا کرتے تھے، بہت دنوں کے بعد کسی نے ازراہ حسد شکایت کی کہ ان سے نگرانی نہیں ہوتی، ان کے شیخ نے ان سے کبھی لیکر شکایت کرنے والے کو دیدی، وہ ایک ہفتہ کے بعد آیا کہ تیل ختم ہو گیا تو شیخ نے کہا کہ برکت احمد کے ہاتھ میں تھی، ان کے ہاتھ میں کبھی ہوتی تو تیل ساتوں ختم نہ ہوتا، شیخ احمد صاحب تصانیف عالم ہیں، محی نے ان کے چند عربی اشعار اور بعض علمی نکات نقل کئے ہیں، محی نے یہ بھی لکھا ہے کہ بسا اوقات صرف ایک روٹی پر قناعت کرتے تھے، کائنات میں وفات پائی (خلاصۃ الاثر ص ۲۵۷)

احمد بن احمد حرستی

سید مرادی نے لکھا ہے کہ ان کا فاضل والفقہاء الصالحین وجہہ مقبولاً (سلک الدار ص ۱۳۷) یعنی بڑے فاضل اور نیکو کار فقیہ اور صاحب وجاہت و مقبولیت بزرگ تھے، مدۃ العمر علامہ عمادی کے لڑکوں کے پاس کاتب فتویٰ کے منصب پر فائز رہے، شیخ اسماعیل حاکم مفتی شام کے نواسے اور احمد بن محمد حرستی کے لڑکے تھے، ۲۲ ربیع الاول ۶۴۲ھ کو وفات پائی - (سلک الدر ص ۱۳۷)

احمد بن محمد بن مصطفیٰ حرستی

دمشق میں سکونت پذیر تھے، پندرہ برس سے زیادہ علامہ کمال الدین یحییٰ دمشقی سے علم فراغت

وغیرہ کی تحصیل میں مشغول رہے، نیز شیخ اسماعیل حاکم مفتی کی خدمت میں بھی مصروف تحصیل اور ملازم خدمت رہے، تا آنکہ شیخ نے اپنی دامادی میں بھی ان کو قبول کر لیا، شیخ کے علاوہ مفتی عمادی کے پاس کاتب فتویٰ کے منصب پر فائز تھے، فرائض و حساب میں دور سارے ان کی تصنیفات میں ہیں، سید مرادی نے لکھا ہے الشیخ العالم الفقیہ الفرضی المحسوب القاضی کان احدث الافاضل والفقہ المفسر المصنف ذہبہم والبارعین فی علم الفرائض والحساب یعنی بڑے فاضل فقیہ اور علم فرائض و حساب میں فائق عالم اور شیخ تھے، ۱۱۸۰ھ میں ولادت اور ۱۲۵۰ھ میں وفات ہوئی، سابق الذکر احمد بن محمد حسینی ان کے لڑکے تھے،

شیخ احمد بعلی

احمد بن عبد اللہ بن احمد بن محمد بن احمد بن محمد بن مصطفیٰ حلی الاصل، بعلی دمشقی حنبلی، ۱۱۸۰ھ میں پیدا ہوئے، اور بہت سے علماء کی خدمت میں علم حدیث و فقہ و فرائض و اصول کی تحصیل کی، جامع اموی دمشق میں درس دیا، اور بہت سے لوگ آپ سے منتفع ہوئے، اور علم فرائض و اصول فقہ وغیرہ میں کئی کتابیں تصنیف کیں، آخر عمر میں حج کے لئے گئے اور مدینہ منورہ میں درس دیا، شیخ ابراہیم موہبی کے بعد ۱۲۵۰ھ میں مذہب حنبلیہ کے قرار پائے، سید مرادی نے ان کو امام متورع، فقیہ زاہد، بقیۃ العلماء العالمین کے اوصاف سے یاد کیا ہے اور کہا ہے کہ ہم نے جن علماء کو پایا ہے ان میں کسی کو ان سے عمدہ طریقہ پر نہیں پایا، پھر لکھا ہے کان یا کل من کسب یمینہ فی حیالکۃ الابلاجۃ یعنی الاجر (ایک قسم کا کپڑا) بنتے تھے اور اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے، محنتی نے لکھا ہے الابلاجۃ نوع من الالقشۃ (الاجر ایک قسم کا کپڑا ہے) علامہ سید سلیمان نے الاجا کا ترجمہ کا مدانی کیا ہے، علامہ شامی صاحب رد المحتار شیخ احمد بعلی کے شاگرد و بالو تھے، شامی کے لڑکے محمد شاکر محدث بعلی کے شاگرد تھے، شامی نے عقود اللالی ۲۲۷-۲۶۷ میں لکھا ہے کہ ان کا فضل مشہور اور نام بلند تھا، فتویٰ وغیرہ میں مرجع خلائی تھے، زہد و تقویٰ میں ان کا پایہ بہت اونچا تھا شامی نے ان کی بافندگی کا بھی ذکر کیا ہے۔ محرم ۱۱۸۹ھ میں وفات پائی۔ (سلک الدرر ص ۱۳۲)

سید احمد بن سید محمد فلاقنسے

نہایت نامور شاعر اور انشا پرداز ادیب تھے، سید مرادی نے سلک الدرر میں ان کے بہت

اشعار نقل کئے ہیں، اور لکھا ہے کہ فلا قفس حص کے نواح میں ایک بستی ہے وہاں سے انتقال مکانی کر کے ان کے داد اسید محمود، دمشق چلے آئے، اور محلہ قمریہ میں اقامت اختیار کی، الابد (ایک قسم کا کپڑا) بننے کا کام کرتے تھے، اور اس صنعت میں انھوں نے بڑا نام پیدا کیا تھا، سید احمد کی وفات ۱۲۷۱ھ میں بمقام دمشق ہوئی، ان کے چچا زاد بھائی عاصم بھی بڑے اعلیٰ درجہ کے ادیب و انشا پرداز تھے، انھوں نے ۱۲۷۱ھ میں وفات پائی، وہ سید محمود الاجیبات کے پوتے تھے، سید احمد کے حقیقی بھائی فتح اللہ دمشق کے اعظم رؤسا میں تھے ۱۵۹ھ میں مقتول ہوئے۔ (سلک الدرر)

سید سعد حسنی

احمد بن احمد حسنی کے لڑکے یعنی شیخ اسماعیل حاکم مفتی شام کے نواسے کے صاحبزادہ تھے، ان کی ماں سیدہ تھیں، اس لئے مرادی نے ان کے نام کے ساتھ سید لکھا ہے اور شیخ فاضل فقیہ کامل کے اصناف سے ان کو یاد کیا ہے، علم فرائض میں بڑے ماہر تھے، مسائل فقہ میں یدِ طولی حاصل تھا، دوسرے فنون میں بھی دخل تھا، مفتی حامد عمادی کے کاتب فتویٰ تھے، اخیر عمر میں نہایت فائق فقیہ ہو گئے تھے، سنانیہ کے امام تھے، ۱۲۷۱ھ میں باون سال کی عمر میں وفات پائی،

خواجہ ابراہیم

حضرت عزیزان کے چھوٹے صاحبزادے ہیں، حضرت عزیزان نے اپنی وفات کے وقت ارشاد و تلقین کی اجازت انھیں کو عطا فرمائی تھی، ۹۳۳ھ میں وفات پائی، حضرت عزیزان بافندہ تھے، جیسا کہ ان کے حالات میں معلوم ہو گا،

شیخ ابواسحاق گارونی

آپ کا نام ابراہیم، اور باپ کا نام شہر یار تھا، شہر یار پہلے محوسی تھے، پھر مشرف باسلام ہوئے، حضرت شیخ اور ان کے جلد بھائی بہن اسلام کے بعد تولد ہوئے ہیں، شیخ ابواسحق حضرت ابوسعلی حسین بن محمد فیروز آبادی اکابر خلیفہ شیخ ابو عبد اللہ خفیف کے مرید و تربیت یافتہ تھے، جس طرح

علم باطن میں بڑا عالی پایہ رکھتے تھے، علم ظاہر میں بھی غیر معمولی عظمت کے مالک تھے، گازوون، شیراز، بصرہ، مکہ اور مدینہ میں بہترے محدثین کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے حدیث کی سماعت کی، مکہ میں شیخ ابوالحسن علی بن عبداللہ جہنم ہمدانی کو دیکھا تھا اور ان سے روایت بھی کرتے ہیں۔ قناعت کا یہ عالم تھا کہ ایک وزیر نے ہر چند کوشش کی کہ آپ اس سے کوئی تذارتہ قبول فرمائیں لیکن نہ لیا۔ آپ کی وفات ذی القعدہ ۲۲۶ھ میں ہوئی (نفحات الانس ص ۲۳۲)

حضرت سلطان المشائخ نظام الدین اولیاء فرماتے ہیں ”اوجو لاہر بچہ بود در دیہے ساکن بود مگر وقتے در ایام صغریہ بیانے منتہی کر دہ شیخ ابو عبداللہ خفیف بردگداشت در د نظر کردنا چہ بدید در بیمار او ابوالسحق را گفت تو دست بردست من نہ دیکو کہ من مرید تو شدم ابوالسحق پہچان کرد دست شیخ بگرفت و مرید شد“ (قوائد القواد ص ۲۵)

حضرت شاہ مجاہد رے کے مکتوبات ص ۲۷ میں ہے ”ابوالسحق گازرونی پسر جولاہہ بود“ یہی مضمون ص ۳۱ میں بھی ہے، قوائد القواد اور مکتوبات شاہ مجاہد دونوں کتابوں میں مذکور ہے کہ شیخ ابوالسحق نے مرید ہونے کے بعد اپنے پیر سے پوچھا کہ میں کیا کروں، پیر نے کہا کہ جو کھاؤ اس میں سے دوسروں کو بھی دو، اس وقت سے ان کا ہمیشہ سے یہ معمول رہا کہ جب کھانا آتا اس میں سے کسی کو ضرور کچھ دیدیتے۔

ایک دفعہ تین درویش اس گاؤں میں پہونچے مگر قیام نہیں کیا چلے گئے، شیخ ابوالسحق کے جی میں آیا ان کی خدمت کرنی چاہیئے، اس وقت تین روٹیاں ان کے پاس تھیں، ان روٹیوں کو لیکر دوڑتے ہوئے درویشوں کے پاس پہونچے، اور روٹیاں ان کے آگے رکھ دیں، وہ تینوں اہل دل تھے، آپس میں کہنے لگے کہ اس لڑکے نے ہماری خدمت کی ہے ہم کو بھی کچھ کرنا چاہیئے، ایک بولا کہ میں نے اس کو دنیا دی، دوسرے نے کہا کہ دنیا کی وجہ سے فتنہ میں پڑیگا میں نے اس کو عقی دیا، تیسرا بولا درویش جو اتمر دہوتے ہیں میں نے اس کو دونوں دیئے، سلطان المشائخ فرماتے ہیں ابوالسحق ایک کامل احوال شیخ ہوئے، اور آج تک کہ ان کی وفات کو صدیاں گزر گئیں ان کے روضہ میں اس قدر فتوح اور نذریں آتی ہیں جن کا حساب نہیں۔

سید صفی الدین گازرونی، شیخ ابوالسحق مذکور کے بھانجے تھے، شیخ نے ان کو خلافت دے کر کہا

کہ ایک اونٹ پر سوار ہو جاؤ اور وہ جہاں بیٹھ جائے وہیں اقامت کرو، اونٹ آتے آتے وہاں ٹھہرا جہاں آج شہر اُچھ ہے، انھیں سید صفی الدین کی اولاد سے شیخ ابوالفتح ہیں جن کی صاحبزادی خدیجہ ثانی شیخ عبدالقادر کی والدہ تھیں، مخدوم ثانی کی وفات ۱۲۹۹ھ میں ہوئی اور مزار اُچھ میں ہے (اخبار الاخیار ص ۹۹)

شیخ احمد نہروالی رحمۃ اللہ علیہ

آپ اکابر اولیائے ہند میں سے ہیں، شیخ الاسلام بہار الدین زکریا ملتانی، سلطان نظام الدین اولیاء اور شیخ نصیر الدین چراغ دہلی جیسے مشائخ کبار نے آپ کو بہت زیادہ سزاہ سلطان جی کا ارشاد ہے کہ شیخ الاسلام بہار الدین ملتانی بہت کم کسی کو پسند کرتے تھے لیکن شیخ احمد نہروالی کے حق میں فرماتے تھے کہ اگر احمد کی مشغولی کو تو لیں تو دس صوفیوں کا سامان ہوگا (فوائد القواد ص ۱۷۱ و اخبار الاخیار ص ۱۲۶)

سلطان جی فرماتے ہیں کہ جوانی میں شیخ احمد ہندی کہتے تھے اور آواز نہایت اچھی تھی فقیہ مادھو جامع مسجد اجمیر کے امام تھے، انھوں نے سنا تو کہا مجھے انوس ہے کہ اتنی اچھی آواز تم ہندی گانے میں خرچ کرتے ہو، میاں! قرآن پاک یاد کر لو، نصیحت کا رگر ہوئی اور شیخ احمد نے قرآن پاک یاد کر لیا۔ سلطان جی سے لوگوں نے پوچھا کہ شیخ احمد کس کے مرید تھے، فرمایا لوگ ایسا کہتے ہیں کہ فقیہ مادھو سے ان کو نعمت ملی تھی (فوائد ص ۱۷۱) لیکن شیخ عبدالحق نے لکھا ہے کہ قاضی حمید الدین ناگودی کے مرید تھے، اور حضرت چراغ دہلی کے بیان سے بھی یہ ثابت ہوتا ہے۔ آپ کو شیخ قطب الدین بختیار کاکی سے بھی صحبت رہی ہے، چنانچہ سلطان جی کا ارشاد ہے کہ جس واقعہ سماع میں شیخ قطب الدین کی وفات ہوئی ہے، اس میں شیخ احمد نہروالی بھی موجود تھے،

سلطان جی کا ارشاد ہے کہ شیخ احمد جب جامع مسجد کی طرف روانہ ہوتے تھے تو ان کے مریدوں کا جگٹا بھی ساتھ ہوتا تھا، ایک درویش تھے جن کو علی شوریہ کہتے تھے وہ ہر دفعہ ان کو ٹوکتے اور کہتے کہ اس بھڑکے ساتھ جامع مسجد نہ جایا کرو اور مریدوں کو ساتھ نہ لے چلو، ایک دن شیخ احمد اسی صورت سے مسجد جا رہے تھے، راستہ میں دیکھا کہ ایک آدمی کسی کو لاتیں مار رہا ہے، شیخ احمد مرید سمیت وہاں پہنچے

اور اس کو حلقہ میں لیکر مظلوم کو چھڑا لائے، اسی اثنا میں شیخ علی شوبیدہ بھی پہنچ گئے، شیخ احمد نے ان کو دیکھا تو فرمایا کہ دیکھئے ایسے ہی کاموں کے لئے گھر سے مریدوں کو ساتھ لیکر نکلتا ہوں (فوائد مشکوٰۃ) سلطان جی کا ارشاد ہے کہ ایک رات شیخ احمد کے گھر میں ایک چور گھس آیا، اور تمام گھر چھان مارا کوئی چیز نہیں ملی، جب اس نے جانے کا ارادہ کیا تو شیخ احمد نے اس کو قسم دلا کہ آواز دی کہ ذرا دیر رک جا، اس کے بعد کارگاہ کے پاس آئے، سات گز کپڑا بٹن چکے تھے، اس کو کاٹ کر چور کے حوالہ کیا اور کہا اب جاؤ، چور کپڑا لیکر چلا گیا، لیکن دوسرے دن وہ چور اور اس کے ماں باپ تینوں نے حاضر ہو کر شیخ کے قدموں میں اپنے سر ڈال دیئے، اور اس کام سے توبہ کی (فوائد مشکوٰۃ) شیخ نصیر الدین چراغ دہلی کا بیان ہے کہ شیخ احمد کو کبھی کبھی کارگاہ ہی میں ایک حال پیدا ہو جاتا تھا کہ وہ آپے میں نہ ہوتے تھے، ہاتھ کام سے رگ جاتا تھا اور کپڑا خود بخود بُنا جاتا تھا، نیز آپ ہی کا بیان ہے کہ ایک دن قاضی حمید الدین شیخ احمد کو دیکھنے آئے، ملاقات کے بعد جانے لگے تو فرمایا کہ احمد اس کام میں کب تک رہو گے، یہ کہہ کر چلے گئے، اسی وقت شیخ احمد اٹھے کہ کھوٹی (میخ) ڈھیلی ہو گئی ہے ذرا اس کو مضبوط کر لیں، اتفاق سے اس کو مضبوط کرنے میں کسی طرح ان کا ہاتھ ٹوٹ گیا، شیخ احمد نے کہا کہ اس پیر نے میرا ہاتھ توڑ دیا۔ اس کے بعد انھوں نے یہ کام چھوڑ دیا اور بالکل مشغول بخدا ہو گئے (اخبار الاخبار ص ۴۴) آپ کی وفات ۶۷۱ھ میں ہوئی (علی ما فی خزینۃ الاصفیاء) مزار مبارک بدایوں میں ہے، مرآۃ الاسرار میں ہے کسب بافندی کر دے، ۱۵

احمد بن خفاجا صفدی

شیخ شہاب الدین احمد بن خفاجا، صفد کے باشندہ تھے، اور وہاں کے شیخ وزاہد تھے، علامہ ستاری لکھتے ہیں کہ نہایت خوب، نیکو کار، صاحب خیر، زاہد اور عابد و قانت تھے، صفد کے تمام لوگ انکے بید معتقد تھے، کسی سے کوئی نذرانہ نہیں لیتے تھے، بافندہ تھے، اور پہلے بافندی ہی ذریعہ معاش تھا، اخیر میں انگور کے چند درختوں پر قناعت کرتی تھی، بڑی عمر پائی تھی، ۷۱۰ رجب ۷۱۰ھ میں بمقام صفد انتقال کیا (مصور لامع ص ۲۹۲)

شیخ اسماعیل حاکم مفتی شام

نام و نسب | اسماعیل بن علی بن رجب بن ابراہیم ہے، اصل میں عینی ہیں پھر دمشق ہو گئے ہشتادہ سال میں پیدا ہوئے، بچپن ہی سے علم کا شوق تھا، اس لئے اپنے والد کے کارخانہ باندگی سے بھاگے بھاگے پھرتے تھے، اور جامع مسجد اموی (دمشق) میں آکر قرآن مجید پڑھا کرتے تھے، یہ بات ان کے باپ کو بڑی شاق گذرتی تھی، بہر حال وہ اس کے باوجود طلب علم میں برابر لگے رہے، اور حسب ذیل اکابر علمائے عہد کی خدمت میں علوم کی تحصیل کی۔

شیخ اسماعیل نابلسی دمشقی (یہ سب جلیل القدر اساتذہ تھے)، فاضل محمد محاسنی۔ دلی شیخ ابو بکر المعروف بمعزل الطرقات، شیخ ابراہیم قتال، شیخ محمد علاء الدین الحسکفی مصنف در مختار، ملا محمود بن عبد الرحمن کردی اور شیخ عبد الباقی حبلی، مؤرخ الذکر نے شیخ اسماعیل حاکم کو اپنے دست خاص سے نہایت جامع و شانداد اجازت نامہ (سند) لکھ کر دیا، انھوں نے گو تمام اساتذہ سے تحصیل علم کی لیکن اکثر و بیشتر مصنف در مختار سے نفع اٹھایا،

تحصیل کے بعد بڑی شہرت پائی، بڑا نام پیدا کیا، اور بہتوں کو دولتِ علم سے مالا مال کیا، جامع اموی، مسجد مغیرہ اور دیلیعہ میں میٹھکر درس دیا، اکثر فضلاء دمشق نے ان کے آگے زمانہ شاگردی تہہ کیا اور ایک بڑی جماعت ان سے متمتع ہوئی،

۳۱ھ میں صالغیہ (دمشق) کے مدرسہ شبلیہ میں مدرس مقرر ہوئے، سخت اللہ میں بلا درخواست بلکہ بغیر اس کے کہ کوئی اشارہ کنایہ کیا ہو دمشق کے مفتی مقرر ہوئے، اور اس اہم خدمت کو نہایت عالمانہ شان سے انجام دیا، دنیا داری کے جذبہ کی کوئی جھلک بھی نہیں پائی گئی، اسی نیک نامی و حسن کارگزاری کا نتیجہ تھا کہ اپنے وفات تک برابر اس عہدہ جلیلہ پر برقرار رہے، مفتی ہونے کے ایک سال بعد حضرت اموی (جو دمشق کی سب سے بڑی شاہی مسجد ہے) کے امام و خطیب مقرر کئے گئے سلک الدرد کا مصنف لکھتا ہے کہ بہر حال فقہ دیگر علوم میں وہ اپنے وقت کے شیخ تھے، بالآخر ۱۳ جمادی الاولیٰ ۳۱۱ھ کو علم و حل کا یہ آفتاب روپوش ہو گیا، اور حضرت اوس بن اوس ثقفی صحابی رسول کے پہلو میں سپرد خاک کیا گیا (یہ سارے حالات سلک الدرد سے لئے گئے ہیں)

شیخ کی جلالت و عظمت شیخ کی عظمت کا کچھ تصور اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ سلک الدرر کے مصنف نے پانچ سطروں میں بالفاظ ذیل آپ کی طرح سرائی فرمائی۔

| | |
|--|---|
| مفتی الحنفیۃ بد مشق الامام الالافۃ | دمشق میں مفتی احناف، امام، علامہ، محقق، |
| المحقق البصیر الخیر الفہامۃ کان من اجل | بحر العلم، عالم بزرگ، فہامہ، جلیل القدر |
| العلماء الفقہاء ناسکا، تواما متعبا زاهدا | فقیہ، عالموں میں ایک، عبادت گزار، شب |
| ورعا، عاملا، صالحا، متقشفا مقیدا لہ | زندہ دار، متعب زاہد، متقی و محتاط، باعمل صالح |
| ید طولی فی سائر الافنن لاسیما الفقہ فانہ | متقشف نفع بخش و فیض رساں، تمام فنون میں |
| کان فقیہ الشام فی عصرہ مع حسن الطبع | ان کو سید مہارت تھی خصوصاً فقہ کہ وہ شام کے |
| واللطف، وحسن المعاشی و معرفۃ اللغات | فقیہ تھے، پھر پاکیزہ طبع، و خوش اخلاق تھے، |
| الثلثۃ التركیۃ والعربیۃ والفارسیۃ | تینوں زبانیں ترکی، عربی اور فارسی جانتے تھے، |
| (سلک الدرر، ص ۲۵۶) | (سلک الدرر، ص ۲۵۶ ج ۱) |

علامہ المتاخرین سید ابن عابدین شامی جیسے محقق نے بھی اسماعیل حاکم کے فتاویٰ سے بہت استفادہ کیا ہے، اور انھوں نے اپنی بے نظیر کتاب رد المحتار میں جگہ جگہ اس کے حوالے دیئے ہیں، اس بافندہ زادہ امام فقہ کے آگے جن اکابر علمائے زانوسے شاگردی تہ کیا ان میں سے بعض کے نام یہ ہیں، احمد بن سوار دمشقی صاحب فتاویٰ تاجیہ محمد بن عبد الرحمن تاجی اور شارح بخاری محمد کفیری امام علامہ ابوالعباس غزی، امام اسماعیل یازجی (انتفع بہ ولانہ) امام بہام شیخ اسماعیل عجلیونی فاضل کامل رحمۃ اللہ ابوبی، مجتہد حنفی شیخ رمضان بن عبدالحی، امام محقق عبد الجلیل مواسی صلی وغیرہم بالخصوص رمضان بن عبدالحی تو شیخ اسماعیل حاکم کے انھیں تلامذہ میں سے تھے، اسی طرح یازجی بھی مدتوں ان کے ملازم صحبت رہے، اور امام اوحد درویش حلواتی نے بھی مدتوں تک حاضر خدمت رہ کر بڑا نفع اٹھایا،

ان تمام اکابر کا رتبہ معلوم کرنے کے لئے سلک الدرر کا مطالعہ کرنا چاہیے، جس وقت اسماعیل حاکم دمشق کی شاہی مسجد جامع اموی میں خطیب مقرر ہوئے تو شیخ صادق خراط کے قطعہ تاریخ لکھا

مدنا اماما لعلوم قام خطیباً و ترقی الی المقام السعید

۱۰ حب امام علوم منصب خطابت کے مبارک مقام پر پہنچا اور اس کے چہرے سے نور بیٹھا، تو میں نے یہاں کی تاریخ نکالی کہ اس نے اپنے نور سے منبر توحید کو منور کر دیا۔

ربد النور و جہہ قلت اسرخ نرین بالنور منبہ التوحید
اس مابک کی غفلت و جلالت کا اندازہ اس سے لگاؤ اس کی وفات پر ایک سید مصطفیٰ
حمادی نے حسب ذیل مرثیہ اور تاریخ وفات لکھی ہے،

مفتی دمشقی خطیبہا علامة الاعلام
الکامل المولیٰ الہمام اجل کل ہمام
صدر الشریعۃ کنزہا بحر العلوم الطامی
کھف الائمة وارث النعمان خیر انام
علم الہدایۃ رکنہا بدر العللاء السامی
ذوالہمة العلیاء والمجد الاشیل النامی
نرد الوجود وغوثہ غیث الانام الہامی
العابد الذی افضل ناسک قوام
لما ابتغی داسر البقاء و وجہ ذی الاکرام
درستی الی الفردوس بالاحبال والاعظام
لاقا رضوان برضوان وحسن مقام
وسالت عنہ الہاتف الغیبی باستفہام
هل نال ما یرضیہ من عز و من العام

- ع۱۔ دمشق کا مفتی اور خطیب اور عظیم عالم ع۱۔ کامل اور بزرگ آقا ہے اور تمام بزرگوں سے بڑھ کر ہے،
- ع۲۔ شریعت کا صدر اور اس کا خزانہ ہے، علم کا موجزن سمندر ہے۔ ع۳۔ علماء کا مرجع، ابو حنیفہ کا وارث اور اہل زمانہ میں سب سے بہتر ہے ع۴۔ ہدایت کا مینار اور رکن ہے، ماہ تمام ہے۔ (مسعود)
- ع۵۔ صاحب عزم و حوصلہ ہے اور کارہائے نمایاں انجام دینے والا ہے۔ ع۶۔ یکنائے روزگار ہے، سخی اور جواد ہے۔ ع۷۔ عابد و زاہد اور بڑا پرہیزگار ہے۔ (مسعود)
- ع۸۔ جب عالم فانی سے عالم جاوداتی اور کریم آقا کی طرف روانہ ہوا۔ (مسعود)
- ع۹۔ اور پورے اعزاز و اکرام کے ساتھ جنت الفردوس تک پہنچا۔ (مسعود)
- ع۱۰۔ تو فرشتہ رضوان نے بڑی خوشی اور تکریم کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔ (مسعود)
- ع۱۱۔ میں نے ہاتھ غیبی سے اس کے بارے میں دریافت کیا۔ (مسعود)
- ع۱۲۔ کہ کیا اس کو ایسی عزت اور انعام حاصل ہوا جس سے وہ خوش ہو جائے۔ (مسعود)

فغانی بتاریخین فی بیت جواب طام
سماں البرضی ارخت اسماعیل مفتی الشا

سکالہ در ص ۲۵۸

مرادنی نے محمد کفری شارح بخاری کے اساتذہ کے سلسلہ میں خیر الدین ربی، عبد الغنی نابی اور شرنبلالی وغیرہ کے نام ذکر کئے ہیں، اور اسی سلسلہ میں جب شیخ اسماعیل حاکم کا نام لکھا ہے تو لکھا ہے دھو اجلہہ یعنی حاکم ان سب میں جلیل ترین تھے، (ص ۲۵۸)

اسماعیل بن ناصر باعونی

عما الدین اسماعیل بن ناصر باعونی، ابراہیم بن ناصر مذکور کے بھائی اور ناصر یہ (شام) کے شیخ و مقتدا بزرگ اور درویش تھے، صاحب تجارت تھے، اور وجاہت و دولت بھی حاصل تھی، ان کے باپ ناصر باقندہ تھے، (دیکھو ان کے بھائی ابراہیم کا حال) ۹۰ سال بعد ۹۰ سال بعد ذی الحجہ انتقال کیا، حافظ ابن حجر نے ان کا تذکرہ اپنے انبار میں اور حافظ سخاوی نے ضویر لامع ص ۲۳ میں کیا ہے۔

شیخ ابراہیم سفید یاف

شیخ رکن الدین گنگوہی فرماتے ہیں کہ "درویش وقت بود" یعنی وقت کے درویش تھے، حضرت قطب العالم شیخ عبد القدوس گنگوہی کے مرید تھے اور آپ کی حیات ہی میں انتقال فرمایا، شیخ رکن الدین فرماتے ہیں کہ ان کے جنازہ کی نماز خود قطب العالم نے پڑھائی، اور فرمایا کہ اس میت کا مرضہ بلند در فیع دکھائی دیتا ہے، اس کے بعد مولانا سہار الدین ملتانی (جو بہت زیادہ صلاح ظاہر)

۱۔ تو میری بات کے جواب میں دو تائیدیں نکالیں۔ علی مفتی شام اسماعیل نے خوشنودی حاصل کر لی۔ (مسود)
۲۔ مولانا سہار الدین ملتانی سید شریف جرجانی کے شاگرد مولانا سہار الدین کے شاگرد اور شیخ کبیر کے مرید تھے، علوم رسمی و حقیقی کے جامع اور صاحب تقویٰ و توحید تھے، لمعات عزائی بدان کے عاشق ہیں اور مفتاح الاسرار نام کا ایک رسالہ بھی ان کی تصنیفات میں ہے، تاریخ وفات جاری الادبی سلسلہ مزار بالا مے حوس شمسی دہلی (اخبار الاخبار)

سے آراستہ تھے) نے استقال فرمایا۔ قطب العالم ان کی نماز جہاز میں بھی تھے فرمایا کہ اس میت کا مرتبہ ابراہیم کے مرتبہ کی طرح میں نہیں دیکھتا، اور اس کے بعد سے ابراہیم کا نام لیتے تو تعلیم شیخ ابراہیم کہتے تھے (لطائف قدوسی ص ۵۷-۵۸)

علامہ شیخ ابراہیم بن محمد شامی

شیخ اسماعیل حاکم مفتی شام کے قریب درشتہ دار اور ان کے شاگرد رشید تھے، شیخ اسماعیل مذکور کے فتاویٰ انھیں نے جمع کئے ہیں جیسا کہ سلک الدرر میں مذکور ہے، آپ کی وفات ۱۲۵۷ھ میں ہوئی، (سلک الدرر ص ۲۵۷)

ابراہیم کردی فارسکوری

ابراہیم بن خلیل بن عمر بن احمد بن خلیل بن ابراہیم فارسکوری کردی حاکم (بافندہ) معروف بابن النشاوی فارسکوری میں تقریباً ۱۱۸۰ھ میں پیدا ہوئے، خوشگو شاعر تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نعت میں کئی قصیدے لکھے، علامہ ابن فہد اور بقاعی نے ۳۳۰ھ میں ان سے ملکر ان کا وہ قصیدہ حاصل کیا جس کا مطلع یہ ہے

قد فاق وجهك بدماء مقلد و كذا قوامك فاق غصنا مشمل
بنخاوی فرماتے ہیں کہ ابراہیم نہایت خوب، باوقار اور رقیق القلب آدمی تھے، ان پر خیر و سکینہ کے آثار ظاہر تھے، نحو میں فصیلت و کمال سے خالی نہ تھے (ضوء لامع ص ۱۷)

ابراہیم بن احمد بن ناصر کرباعونی

شیخ برہان الدین ابوالسحق ابراہیم بن شہاب الدین ابوالعباس احمد بن ناصر مقدسی ناصری کرباعونی دمشق صالحی شافعی، شب جمعہ ۲۷ رمضان ۸۸۰ھ کو صفد میں پیدا ہوئے، وہیں نشوونما پائی، اور قرآن پاک یاد کیا، صفد کے امام جامع مسجد کے پاس تجوید سیکھی، سن بلوغ کے قریب اپنے والد کے ساتھ شام گئے اور شرف غری وغیرہ سے فقہ کی تحصیل کی اور نوزا بیاری کی صحبت میں علوم

میں تیرا چہرہ تابانی میں ماہ کامل سے بھی بڑھ گیا اور تیرے تدقیق و دالی پر سبقت حاصل کی۔ (مسعود)

ادبیہ حاصل کئے، اور کلمہ کے بعد مصر گئے اور ایک برس سراج بلقیسی کی ملازمت میں رہے اور کمال دیمیری کی صحبت میں رہ کر ان کی بعض تصانیف حاصل کیں، اور اسی وقت عراقی و ہیتی کی خدمت میں سماعت حدیث کی، وہاں سے فراغت کر کے اپنے وطن میں آ کر نہایت نیکنامی کی زندگی بسر کی، خطابت وغیرہ کی خدمتیں نہایت خوبی سے انجام دیں، حکومت کبیرن سے بعض جلیل القدر عہدوں پر نامزد ہوئے لیکن انھوں نے منظور نہیں کیا، جو کام کئے نہ تھے دینداری سے کئے،

صالح جوہری کا نہایت بہتر اختصار کیا، ایک مجموعہ خطب اپنے انشاء خاص سے تیار کیا، صاحب دیوان شاعر تھے، اور بھی کئی تصنیفیں کیں، متعدد دائمہ نے ان کے فضائل و کمالات کو سراہا ہے، بلاد شامیہ کے یکنا شیخ الادب سمجھے گئے اور ان کے لئے مایہ فخر و باعثِ زینت، ابن خطیب ناصر نے ان کو شیخ امام، عامل قاضی بلخ کے الفاظ سے یاد کیا ہے، اور ایک دوسرے مصنف نے شیخ امام، علامہ خطیب الخطباء شیخ الشیوخ، سان العرب، ترجمان الادب، برہان النظر فرید العصر وغیرہ الفاظ سے ان کا ذکر کیا ہے، علامہ سخاوی نے ان کے متعدد اشعار و قطعات نقل کئے ہیں (ضوء لامع ج ۲۱-۲۲)

ابراہیم کے دادا ناصر بافندہ تھے، جیسا کہ مقریزی کے حوالہ سے سخاوی نے لکھا (ضوء لامع ج ۲۲-۲۳)

شیخ ابراہیم نبیتی

بڑے صاحب کرامات بزرگ تھے، مہی نے خلاصۃ الاثر اور شیخ عبدالرؤف مناوی کے کواکب میں لکھا ہے کہ مجذوب، صاحب کشف و کرامات اور بڑے بلند حالات رکھنے والے بزرگ تھے، پہلے نبیت میں بافندی کرتے تھے، جب جذب طاری ہوا تو اسی حال میں قاہرہ پہنچے، اور بیس برس سے زیادہ رہ کر پھر نبیت چلے گئے، مسئلہ میں وفات پائی، مصر کے ایک وزیر نے ان کے مزار پر ایک عظیم الشان قبہ تعمیر کرایا (خلاصۃ الاثر ص ۶۷)



حضرت ابراہیم بن اشنق قدس سرہ

محرم (شام) کے باشندہ اور ولی کامل تھے، علامہ سید مرادی نے لکھا ہے کہ ان کی ولایت پر سب کا اجماع و اتفاق تھا، اور عوام و خواص ان کے یکساں معتقد تھے، پشیمین بننے کا کام کرتے تھے، یاد الہی سے کسی وقت بھی غافل نہیں رہتے تھے، دائرہ بہت لمبی تھی، کبھی کبھی بننے کی حالت ہی میں جذب طاری ہو جاتا تھا، جب افادہ ہوتا تو دیکھتے کہ دائرہ بھی بن گئی ہے اس لئے کچھ بنا ہوا حصہ اُدھیر کر دوبارہ بننے لگتے، ضرورت مند ہمایوں کا مفت پانی بھر دیا کرتے تھے، سید مرادی نے یہ بھی لکھا ہے کہ ان کی نسبت یربات قریب قریب متواتر ہے کہ ایک سال وہ باوجود بیکہ حجاج کے قافلہ کے ساتھ حج کے لئے گھر سے نہیں نکلے مگر دیکھنے والوں نے ان کو عرفات میں دیکھا اور طکرات چیت کی، سن ۱۶۱ھ کے بعد وفات پائی، اور محرم کی جامع مسجد میں جو جامع وحشی و ثوبان کے نام سے مشہور ہے مدفون ہوئے (سلک الدرر ص ۳۷)

ابوبکر بن المجنون

شیخ صالح تقی الدین ابوبکر دمشقی عاتقی المعروف بابن المجنون، عارف باللہ، سیدی علامہ ابوالفتح مزنی کی جماعت کے ایک فرد تھے، بہت متقی، پاکیزہ باطن نیک پرہیزگار تھے، سوت کا کپڑا بنتے تھے اور اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے، رمضان ۷۸۵ھ میں وفات پائی (کوکب ص ۱۷۱)

ابوبکر بن قنس

تقی الدین ابوبکر بن ابراہیم بن یوسف بعلی شم الصالحی الدمشقی حنبلی، المعروف بابن قنس تقریباً ۹۰۰ھ میں بمقام بعلبک (شام) پیدا ہوئے، بڑے ہوئے پر اپنے والد کی طرح بافندگی کا کام شروع کیا، کچھ دنوں بعد پڑھنے لکھنے کا خیال ہوا، تو بہت تھوڑی مدت میں بالغ ہونے سے پہلے ہی قرآن پاک یاد کر لیا، حفظ قرآن کے ساتھ بافندگی کا مشغلہ بھی برابر جاری تھا، اگر بعد فقہ حنبلی میں عمدہ نامی کتاب پڑھی، اب اپنے والد سے فقہ حنبلی کی مقنع نامی کتاب خریدنے

کی درخواست کی تو ناداری کی وجہ سے وہ معذور رہے، ناچاکسی طالب علم نے ان کو تنبیہ (فقہ شافعی) دیدی انھوں نے اسی کو یاد کرنا شروع کر دیا، لیکن کچھ یاد کرنے کے بعد مقنع مل گئی تو اس کو اور اصول میں طوئی اور نحو میں الفیہ و نحو وغیرہ کو یاد کر ڈالا، اس کے بعد ایک مدت مدید تک تاج الدین بن بردس کی خدمت میں حاضر رہ کر فرقہ کی تکمیل کی تا آنکہ انھوں نے ان کو افتاء اور تدریس کی اجازت بھی دیدی لیکن یہ ان کی زندگی بھر خدمت سے علیحدہ نہ ہوئے، انھیں کے پاس صحیح بخاری، وسیرۃ ابن شہام بھی پڑھی تاج الدین سے پہلے شرف الدین بن مفلح نے بھی ان کو درس و افتاء کی اجازت دیدی تھی، ۳۳۰ھ میں حج کی سعادت حاصل کی، واپسی پر چند دنوں اپنے وطن رہ کر دمشق چلے آئے اور وہیں متوطن ہو گئے، انھوں نے فن عربیت کی تحصیل قطب یوننی وغیرہ سے اور معانی ربیان کی دمشق کی ایک جماعت سے اور دمشق آنے والے علما میں سے ملا یوسف رومی وغیرہ سے، اور اصول کی بدر عصبانی سے، اور منطق کی سید شریف جرجانی اور تجرید کی ابراہیم بن صدقہ سے کی، کچھ حافظ ابن حجر سے بھی حاصل کیا۔

الحاصل علم کی طرف ایسی توجہ زائد کی کہ تمام فنون میں ماہر اور فقہ، اصول، تفسیر، تصوف، فرائض، عربیہ منطق اور معانی و بیان میں منجرتھے، اکثر انسانی کمالات و فضائل سے ان کو خاصا حصہ ملا تھا نہایت ذہین و ذکی، درست فہم، قوی الحافظ، فصیح و لسان تھے، ان کے عہد میں انھیں کے پاس طلبہ کا ہجوم رہتا تھا، ان کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور ان کے متعدد شاگرد نہایت باکمال اور نامی ہوئے، دمشق میں انھیں کی بدولت اللہ نے جنہی مذہب کو زندگی بخشی، جامع خابلہ میں وعظ بھی کہتے تھے، ان کے وعظ سے عام خاص سب کو نفع ہوتا تھا، ان ساری خوبیوں کے ساتھ ان کی دینداری نہایت ٹھوس، ان کا تقویٰ نہایت مضبوط تھا، تقشف تو اصنع، اور زہد و عفاف بہت بڑھا ہوا تھا، صوم و صلوٰۃ و تہجد کے نہایت پابند تھے، لگنائی و گوشہ نشینی پسند تھی، نہایت بامروت و صاحب اثر افلاس کے باوجود داد و دہش کے عادی اور دنیا داروں سے سخت متنفر تھے، مناصب کی طرف متہ اٹھا کر بھی نہ دیکھتے تھے اکثر و بیشتر بافندگی ذریعہ معاش تھی، تمام طلبہ و فقہاء کو ان سے محبت تھی اور اپنے اوصاف میں یکتا تھے، ان کا نام نہایت مشہور ہوا اور ان کے مذہب والے ان کی ذات پر فخر کرتے تھے، تصنیفات میں ان کے چند حواشی ہیں، ان کی کسی تحریر کی بنا پر بعض مخالفوں نے نائب حاکم کے پاس ایک مجلس منعقد کی لیکن فقہاء کی پوری جماعت ان کے مقاومت کی تاب نہ لاسکی۔

مقرر آئے تو تمام اکابر خصوصاً حافظ ابن حجر نے ان کی بہت تعظیم کی اور ان کی آمد سے حد درجہ خوش ہوئے، حافظ نے کچھ کپڑے اور کتابیں تحفہ میں پیش کیں، وہیں علامہ سخاوی بھی ان سے ملے ان کا بیان ہے کہ میں ان کی نگاہ کرم اور دعائے خیر سے منتفع ہوا، علامہ مرادی ان کو حلاۃ زمانہ فی البعث والتحقیق کے عنوان سے ذکر کیا ہے اور ابن ابی عذیبہ نے لکھا ہے کہ شیخ الحنابلہ بالشام و امامہم و مفتیہم و عالمہم و زاہدہم، ۱۱۳۵ھ میں وفات پائی، اور ابن قدامہ کے توار میں مدفون ہوئے، سخاوی کا بیان ہے کہ انھوں نے اپنے بعد اپنا کوئی ہمسر نہیں چھوڑا (صو ر لامع فیہ)۔

شیخ ابوالحسن سرکی

آپ مکہ معظمہ میں مجاور و معتکف ہو گئے تھے، بڑے پایہ کے دلی تھے، ایک دن صوفیوں کے ساتھ مسجد حرام میں بیٹھے ہوئے درویشی کے متعلق گفتگو ہو رہی تھی سب کی باتیں سننے کے بعد انھوں نے فرمایا کہ درویشی کے متعلق آپ لوگ اتنی باتیں بگھا رہے ہیں لیکن درویشی وہ چیز ہے کہ اگر اس کو دیوار پر لکھ دیا جائے تو ہم میں سے کوئی اس دیوار کے پاس بھی نہ گذرے گا، صوفی لوگ ان کی اس بات سے بہت برہم ہوئے کہ یہ کیا بات کہہ رہے ہیں، لو اب ہم درویش نہ ٹھہرے، ایک بولا ہا اگر ہم کو درویشی کے دائرہ سے خارج قرار دیتا ہے، مجلس میں کچھ سن رسیدہ مشائخ بھی تھے انھوں نے جب فرمایا کہ ابوالحسن ٹھیک کہتے ہیں تب برہمی دور ہوئی۔

اس کے بعد ابوالحسن سرکی عمرہ کرنے چلے گئے، جب واپس ہوئے تو ہر ایک صوفی کے سر کو چومنے لگے اور معذرت خواہی کرتے تھے، مشائخ میں سے ایک نے پوچھا کہ آپ نے بات تو سچ کہی تھی لیکن اب جو اگر ان کے سر پر چوم رہے ہیں تو اس کا یہ مطلب ہو گا کہ آپ نے اپنے قول سے رجوع کر لیا۔ ابوالحسن نے جواب دیا کہ صاحب! آج سے پہلے جب میں عمرہ کے لئے جاتا تھا تو راستہ میں کچھ آیتیں کچھ درود شریف پڑھتا ہوا جاتا تھا، آج جو گیا تو راستے بھر بس اسی خیال میں غلطاں پیچاں رہا کہ انھوں نے یہ کہا تو میں یہ جواب دوں گا اور یہ کہتا تو یہ جواب دوں گا غرض راستہ بھر بحث و مباحثہ میں مصروف رہا اس لئے میں نے واپس آکر اپنے دل کا علاج کیا ہے کہ بلا تم چاہے حتیٰ پر ہو یا ناحق پر میں اپنے دل کو بس ایک خیال ایک کام کی طرف متوجہ رکھنا چاہتا ہوں۔

۱۔ بحث و تحقیق میں بیکتاۓ زمانہ علی شام کے حنبلیوں کے شیخ، ان کے امام، مفتی اور عالم و زاہد۔ (مسود)

شیخ الاسلام ہر دی نے فرمایا ہے کہ
شیخ ابوالحسین سرکی قزیز بابتے شیخ ابوالحسین سرکی ریشمی کپڑا بستے تھے (نفحات الانس ص ۲۵۷)

شیخ الگو نور بات

شوال ۱۲۷۱ھ میں شاہ غلام حسین کے ساتھ جو لوگ ہنومان گڑھی کی مسجد کے قفسہ میں شریک جہاد ہوئے تھے، ان میں شیخ الگو نور بات بھی اپنی قوم کے دس بارہ آدمیوں کے ساتھ تھے، انھوں نے بھی اس مسجد پر اپنی جان قربان کی اور جام شہادت نوش کیا (گم گشتہ حالات اجودھیا ص ۲۵۷)

شیخ ابوبکر نساج

باپ کا نام عبید اللہ تھا، طوسی الاصل تھے، شیخ ابوالقاسم گرگانی سے ارادت و خلافت حاصل تھی، ابوبکر دینوری کی صحبت پائی تھی۔ مشاہیر ادلیائے کالمین میں سے تھے، حجت الاسلام امام محمد غزالی کے بھائی شیخ احمد غزالی ان کے مرید تھے، عارف جامی نے نفحات الانس ص ۲۳۱ میں اور داراشکوہ سلطنت الدلیہ میں اور مولوی صدیقی حسن نے تقصیر میں ان کا ذکر کیا ہے، اور ان کے بعض ملفوظات بھی نقل کئے ہیں پانچویں صدی کے اواخر میں انتقال کیا۔

ابو تمام مصنف دیوان حماد

دیوان حماد تمام عربی مدارس کے نصاب رس میں داخل ہے اور اس کے مصنف سے عربی مدارس کا بچہ بچہ واقف ہے لیکن یہ بات کم لوگ جانتے ہیں کہ عربی زبان کا یہ فاضل ادیب اور صاحب دیوان شاعر بھی بافندہ تھا، تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے کہ وہ دمشق میں ایک بافندہ کے یہاں نوکری کے طور پر رہنے کا کام کرتا تھا اور بیابچہ حماد مصنف مولوی اعزاز علی) ابو تمام کی ولادت ۱۹۱۹ء اور وفات ۱۹۲۲ء میں ہوئی۔ ابو تمام کے تذکرہ میں یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ اس کا باپ نصرانی تھا، اور اس کا نام تدا عطار تھا، لوگوں نے تدا و س کو ادس بنا ڈالا اور طلی (مشہور قبیلہ طے کے جدِ اعلیٰ) تک ایک نسبت تصنیف کر کے ابو تمام کو طائی کہنے لگے (دیباچہ حماد وغیرہ)

شیخ ابو بکر مینی

اصل باشندہ مین کے تھے، مگر مکہ معظمہ میں مقیم تھے، قصبہ (کتان کا کپڑا) بنتے تھے، ابن سعد الدین جیادی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ہم لوگ شامی مال تجارت لیکر مکہ گئے، جو سودا ہمارے ساتھ تھا۔ اس کا بازار میں اس وقت کوئی پوچھنے والا نہ تھا۔ اتفاق سے شیخ ابو بکر سے ملاقات ہو گئی انھوں نے حال پوچھا اور اپنا کام کرنے لگے، جب اٹھے تو انھوں نے کہا چالیس معلق لاؤ۔ ہمارے پاس کل چالیس ہی معلق تھے، ہم نے دیدیئے، انھوں نے دعا کی، اس کے بعد فوراً ہی دلال آنا شروع ہوئے اور ہمارے پاس جتنا مال تھا سب بیک گیا (خلاصہ منہاج ج ۴)

حضرت شاہ بر خوردار لکھنوی

لکھنؤ کے محلہ انعامی ٹولہ میں سکونت تھی اور بافندہ تھے، سید محمد ہاشم کے مرید و خلیفہ تھے، اپنے زمانہ کے بزرگوں میں صاحب حال قوی و مہمت بلند تھے، محمد باقی مرید آنحضرت نے رسالہ "مرآة الارواح" میں ان کے کلمات متبرکہ (ملفوظات) جمع کئے ہیں، اس میں ایک ملفوظ آپ کا یہ ہے کہ "شریف اس کو کہتے ہیں کہ اپنے کو مخلوقات میں سب سے کمتر سمجھے اور ماسوی اللہ سے دل ہٹالے اور نفس امارہ کو اس طرح شکست دے کہ بشریت کی بواباقی نہ رہے اس وقت اِنِّیْ جَاعِلٌ فِیْہِ الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً کے معنی معلوم ہوں گے" آپ کو اسماعیل خاں نے اپنے لڑکے کی صحتیابی کے لئے دعا کرنے کو طلب کیا جو اب دیا کہ فقیر کسی کے گھر نہیں جاتا بچہ کو یہیں لائیں، وہ نہیں لایا، بچہ مر گیا، اس کینہ میں اسماعیل خاں نے ایک شخص کو ان کے قتل پر مقرر کیا۔ اس نے سالہ میں ان پر قاتلانہ حملہ

۱۷ سید ہاشم شاہ اڑھن جو پوری کے اولاد میں تھے، تحصیل علم کے لئے لکھنؤ آئے اور کلیہ شیخ پیر محمد میں اقامت کی تو قدامت جاگ مرید شاہ آفاق سے دوستی ہو گئی اور اسی دوستی کی بدولت محمد قائم کے گھر پر مقیم ہوئے عیس سال تک علم ظاہر و باطن کی تحصیل و تکمیل اور مجاہدات میں مشغول رہنے کے بعد حضوری حرمین شریفین کی سعادت حاصل کی، واپسی میں سورت پہنچ کر سید سعد اللہ سلونی تم السورتی کے ہاتھ پر بیعت اور کسب فیوض کے بعد لکھنؤ آ کر پھر محمد قائم مذکور کے مکان پر مقیم ہوئے اور صاحب تاثیر اولیاء میں ہوئے، قدوة المتوکلین (جد امجد صاحب بحر خوار غالباً) ان کی نماز جنازہ میں شریک ہونے کو گئے تو انکی پشانی کو بوسہ دیا اور کہا مردانہ ماندنی و مردانہ رفیق

محمد قائم کی مسجد کے پشت پر ایک بلند مقام میں ان کا مزار ہے (بحر خوار و سلہ ج ۱)

کر کے اٹکو زخمی کر دیا اسی زخم سے اُن کی وفات ہوئی (بحر زخار ص ۱۲۲)

مولانا بہادر منوی

آپ کا ذکر مولانا سید عبدالحی نے نزہۃ الخواطر جلد ۱ صفحہ ۱۱۱ میں کیا ہے، بنارس و غیرہ میں علم حاصل کیا، بڑے جید عالم اور نہایت باخدا اور متقی تھے، بنائی ذریعہ معاش تھا ۱۲۸۲ھ یا ۱۲۸۳ھ میں انتقال فرمایا۔ موت کہتا ہے کہ یہ مختصر حالات مولوی احمد مکرم عباسی کی کتاب تاریخ مکرم سے صاحب نزہۃ الخواطر نے نقل کئے ہیں، میرا گمان غالب ہے کہ بنارس میں مولانا بہادر نے مولانا احمد علی چریا کوٹی سے علم کی تحصیل کی ہے، اور مولانا بہادر سے مولانا محمد قائم امام جامع مسجد مسونے پڑھا ہے۔ مسئلہ ہے کہ جس مسجد میں تاڑ کی شہتیر (دھنی) لگی ہوتی تھی اس میں نماز نہیں پڑھتے تھے۔

بکر بن احمد ابوالقاسم نساج

بکر بن احمد بن محمد بن کثیر بن صالح ابوالقاسم نساج بغدادی الاصل ہیں، مگر واسط میں سکونت اختیار کر لی تھی، اور وہیں یعقوب بن سنجہ سے سنی ہوئی حدیثیں بیان کیں، خطیب بغدادی کے استاد قاضی ابوالعلاء محمد بن علی یعقوب نے ان سے روایت کی ہے (تاریخ خطیب ص ۹۵ ج ۷)

شیخ بھولا سفید بان سہارن پوری

قطب العالم حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے مرید تھے، شیخ رکن الدین خلعت و خلیفہ قطب العالم لکھتے ہیں کہ ”مرید و مخلص و صالح بود“ یعنی وہ اخلاص مند و نیکو کار مرید تھے، ایک دفعہ ان کو مالنویا کی بیماری ہو گئی اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ کھانے پینے اور ٹھٹھنے پہننے کی بھی سُدھ نہ تھی رشتہ داروں نے ایک چار پائی پرٹا کر ریشیوں سے باندھ دیا، اسی حالت میں بھولا کیا د لکھتے ہیں کہ ان کے پاس شیخ عبدالقدوس اور شیخ احمد عبدالحق رو دو لوی تشریف لائے اور رسیاں کھول دیں، اسی درمیان دو قلندر ظاہر ہوئے کہ بھولا کو پھر باندھیں، شیخ عبدالقدوس نے باندھنے نہ دیا، اس کے بعد قلندروں نے کہا کہ اس کی پیشانی پر ہم داعیں گے، شیخ نے فرمایا کہ ہمارے مریدوں کے پاس آگ نہیں آسکتی، قلندروں نے کہا اس بیماری کو دافعا ضروری ہے، شیخ نے فرمایا کہ ایسا ہی ہے تویر کی ایک

انگلی میں داغ، قلندر روئے وہیں داغا، اسی حالت میں شیخ نے ایک تعویذ دیا، بھولانے اس کو سر میں باندھ لیا، اس کے بعد اسی وقت بھولا کے ہوش وحواس درست ہو گئے اور کیا دیکھتے ہیں کہ رسیاں کھلی ہوئی ہیں اور بیماری بھی جاتی رہی ہے۔ تعویذ سر میں بندھا ہوا ہے، پیر کی انگلی میں داغ بھی موجود ہے۔

بھولا کے بھائی راجے تھے وہ یہ کیفیت مشاہدہ کرنے کے بعد پیروں کا خکرانہ لیکر شاہ آباد (اس وقت حضرت شیخ شاہ آباد میں مقیم تھے) پہنچے، حضرت دیکھتے ہی مسکرائے، اور فرمایا کہ احمد بھولا کو صحت ہو گئی، راجے نے قدم چوما اور کہا کہ یہ پیر دستگیر کی شفاعت کا صدقہ ہے۔
(لطائف قدوسی مصنف شیخ رکن الدین)

خواجہ بہاء الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ

نام محمد، تاریخ ولادت محرم ۷۸۶ھ، بخارا سے ایک کوئس کے فاصلہ پر قصر عارفان ایک مقام ہے اسی کو آپ کے مولد ہونے کا شرف حاصل ہے، آپ نے حضرت سید امیر کلال کی خدمت میں مقامات سلوک طے کئے اور خلافت پائی، سلسلہ نقشبندیہ آپ ہی سے قائم ہوا۔ حضرت خواجہ علاء الدین عطار حضرت خواجہ محمد پارسا اور مولانا یعقوب چرخچی وغیرہم آپ کے ارشد خلفاء میں سے ہیں، آپ کے مقامات، مناقب اور حالات میں صد ہا کتابیں تصنیف ہو چکی ہیں، از انجملہ خواجہ محمد پارسا کے تلمیذ رشید خواجہ ابو القاسم بن محمود بن مسعود بخاری کا ایک رسالہ ہے جس کا نام الرسالة البہائیۃ ہے، میں نے اس رسالہ کو دیکھا ہے۔

دار اشکوہ سفینۃ الاولیاء میں لکھتے ہیں :-

| | |
|--|--|
| <p>رسالہ بہائیۃ میں جو حضرت خواجہ کے مقامات کے بیان میں ہے نقشبندی وجہ تسمیہ یہ لکھتے ہیں کہ خود خواجہ بزرگ فرماتے تھے کہ میں اور میرے والد کتبائے بننے اور نقشبندی کا کام کرتے تھے، اور مولانا جامی کے قلم سے بھی لکھی ہوئی یہ نقل میں نے دیکھی ہے۔</p> | <p>وجہ تسمیہ نقشبند در رسالہ بہائیۃ کہ در مقامات خواجہ است می نویسند کہ حضرت می فرمود من و پدر من بصفت کتاب بانی و نقشبندی مشغول می بودیم، و ہمیں نقل را بخط حضرت مولانا عبد الرحمن جامی قدس سرہ نیز نوشتہ یافتیم۔</p> |
|--|--|

حضرت خواجہ بزرگ کی ولایت اور سلسلہ نقشبندیہ کی امامت کا شہرہ چار دہائیوں کا عالم میں ہے۔
اس لئے تطویل کی حاجت نہیں،

شیخ عبدالرحمن حشتی مرآۃ الاسرار میں نقشبند کہے جانے کی کمی و جہیں لکھ کر فرماتے ہیں کہ
”خواجہ عبدالرزاق کیلئے از فرزند ان خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہ کہ بفضل فضاائل انسانی ممتاز
بود و امروز در ہندوستان مثل او دیگرے در سلسلہ نقشبندیہ شنیدہ نمی شود او چہیں می گوید کہ بنائے
کار بر بقعہ حلال نہادہ اند از ان جہت اکثر بزرگان سلسلہ خواجہ ابکب روزی حاصل می کردہ اند چنانکہ
در ذکر ایشان گذشت بنا بر ان حضرت خواجہ بہار الدین نیز بحکم متابعت پیراں خود بکسب بند بانی
و قالین بانی مشغول بودہ است آنحضرت را از انجہت نقشبند گویند دو جہ اخیر بصحت قریب می نماید
تہتر سال کی عمر میں دوشنبہ ۳ ربیع الاول ۹۱۰ھ میں رہ گئے عالم بقا ہوئے۔

رسالہ بہائیہ کا قلمی نسخہ کتب خانہ شاہ پیر محمد (احمد آباد) میں موجود ہے، ہم نے اس نسخہ کو (ورق ۴۸۰)
دیکھا ہے، داراشکوہ نے اس کے حوالے سے جو نقل کیلئے اسکو حروف صحیح پایا ہے۔
رسالہ بہائیہ کا دوسرا نسخہ سبحان اللہ کلیشن علی گڑھ میں ہے۔

بقاء بن سلامہ محدث حافظ حدیث یافتہ

حافظ عبدالغنی بن سعید مصری کتاب المولف والمختلف میں فرماتے ہیں کہ ابن قتیبہ سے پوچھا
گیا کہ آپ نے بقا سے کتنی حدیثیں حاصل کیں تو فرمایا میں نے ان کے پاس کچھ نہ پھوڑا۔
ابوبکر نقاش کے خط باریک کو دیکھ کر فرمایا کہ تمہارا خط تو کتان کے تار کی طرح ہے، آپ کو عبداللہ بن
سلامہ بھی کہتے ہیں، ابوبکر نقاش و ابن قتیبہ نے آپ سے حدیثیں سُنیں، حافظ عبدالغنی فرماتے ہیں کان
حاشا۔ آپ کی وفات ۱۰۰ھ میں ہوئی۔

۱۔ خواجہ عبید اللہ احرار قدس سرہ جو انسانی خوبیوں میں ممتاز تھے، ان کے صاحبزادے
خواجہ عبدالرزاق جن کا مثل سلسلہ نقشبندیہ میں ہندوستان میں سننے میں نہیں آتا۔ ان کا قول ہے کہ
کام کی بنیاد رزق حلال پر رکھی گئی ہے، اسی وجہ سے سلسلہ خواجہ کے اکثر بزرگ کما کر روزی حاصل کیا کرتے
تھے، جیسا کہ ان لوگوں کے تذکرہ میں گزر چکا ہے اسی بنا پر حضرت خواجہ بہار الدین بھی اپنے پیروں کے اتباع میں
پاچہ بانی و قالین بانی کیا کرتے تھے، ان صاحب کو اسی وجہ سے نقشبند کہتے ہیں آخری وجہ صحت سے قریب لگتی ہے۔ (مسعود)
۲۔ یافتہ تھے۔ (مسعود)

حضرت شیخ تقی مائک پوری حائک

آپ کا وطن کٹرہ مائک پور ہے، اخبار الاخبار میں ہے در کٹرہ مائک پور بود حق سبحان و تعالیٰ تقویٰ و برکت و کرامت عطا نمود نام او در کٹرہ مائک پور است خصوصاً در دفع زہر مار چٹا در مارگیران مشہور است۔ (اخبار الاخبار ص ۱۷۱)

اخبار الاخبار کی طرح "تخزینۃ الاصفیاء" میں بھی شیخ تقی کو مائک پوری لکھا ہے مگر شیخ عبدالرحمن نے شیخ کبیر کے حال میں لکھا ہے کہ اول ارادت بخدمت مخدوم شیخ تقی بن شیخ رمضان مائک پوری داشت کہ اور قصبہ جھونسی متصل شہر الہ آباد آسودہ است اہ،

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ شیخ تقی حائک وہ ہیں جن کا مزار جھونسی میں زیارت گاہ خلایق ہے، اور شیخ عبدالحق نے ان کو مائک پوری اس لئے لکھ دیا کہ جھونسی مائک پور کے قریب ہے، یہ بھی ممکن ہے کہ مائک پور اور جھونسی دونوں میں اس نام کے بزرگ گذرے ہوں اور دونوں حائک ہوں۔

دوسری الجھن یہاں پر یہ ہے کہ "نزهة الخواطر" میں شیخ تقی جھونسی کو حسینی لکھا ہے (دیکھو تذکرہ علی بن علی بن محمد تقی الدین جھونسی ص ۹۳) اور ان کے والد کا لقب شعبان الملت لکھا ہے ۹۱ یہ دونوں باتیں عبدالرحمن چشتی کے بیان سے مختلف ہیں، مگر چشتی کا بیان قابل ترجیح ہے اس لئے کہ نزہۃ الخواطر کا مادہ منبع الانساب ہے جو بالکل غیر مستند اور بے سرو پا بیانات بلکہ جعلی حکایات کا مجموعہ ہے، تعجب ہے کہ مولانا عبدالحق رائے بریلوی نے اس پر کس طرح اعتماد کیا۔

شیخ تقی کے سال وفات میں بھی بڑا اختلاف ہے، نزہۃ میں ۸۵۰ھ لکھا ہے، لیکن اگر یہ صحیح ہے کہ وہ کبیر داس کے پیر ہیں تو یہ سن وفات یقیناً غلط ہے، کبیر داس سکندر لودی کے عہد میں تھے اور ان کی وفات متوہر لال زتشی کی تحقیق کے بموجب ۱۰۳۰ھ ہجری ہے اور سال پیدائش تقریباً ۱۰۰۰ھ، اس صورت میں کبیر داس، شیخ تقی کے مرید کیسے ہو سکتے ہیں؟

۱۔ کٹرہ مائک پور میں سکونت تھی، حق تعالیٰ نے پرہیزگاری اور برکت و کرامت عطا فرمائی تھی، کٹرہ کے ڈوسے میں بالخصوص زہر کے دغیبہ کے لئے ان کا نام نہایت مؤثر ہے، جیسا کہ سپردوں میں مشہور ہے۔ (مسعود)

شیخ تقی کا سال وفات خزنۃ الاسفیا میں ۹۸۲ھ لکھا ہے، اور میری بیاض میں ۹۹۲ھ لکھا ہوا ہے، اور میرے نزدیک یہی صحیح ہے اور خزنۃ الاسفیا میں عددوں کی ترتیب بدل گئی ہے، آٹھ کا عدد پہلے اور نو کا اس کے بعد لکھ دیا گیا ہے۔

بحر زخار میں ہے کہ حضرت شاہ تقی سہروردی کو احوال مشائخ کی کتابوں میں حاکم لکھتے ہیں مگر شاہ فقیر اللہ جو شیخ تقی کی نسل سے ہیں فرماتے ہیں کہ ہمارے دادا انصاری تھے، صاحب بحر زخار کا خیال ہے کہ شاہ فقیر اللہ چونکہ قاضی فخر الدین بجنوری کے خاندان سے دامادی کی نسبت رکھتے ہیں اس لئے اس سے ان کے دادا کی انصاریت کی تصدیق ہوتی ہے، اس کے بعد صاحب بحر زخار مولینا جامی کا یہ شعر نقل کرتے ہیں ۵

عبدہ عشق شدی ترک نسب کن جامی کہ دریں راہ فلاں ابن فلاں چیزے نیست
پھر لکھتے ہیں کہ مرآۃ الاسرار میں شاہ تقی بن شاہ رمضان لکھا ہے مگر شاہ فقیر اللہ کہتے تھے، کہ شاہ تقی کے والد بزرگوار شاہ شعبان نے سہروردی دینے خلافت پائی تھی اور وہ الہاباس (الہ آباد) کے صاحب ولایت تھے بڑے باکمال و صاحب کرامات تھے، وفات کے بعد جھونسی میں مدفون ہوئے، شیخ تقی جو اماظم (اکابر) اولیاء سے تھے ان کے جانشین و خلیفہ ہوئے، وہاں کا راجہ نوک نامی کافر تھا، اس کو شیخ کا وہاں رہنا ناگوار تھا اس نے ان کی ایک دن دعوت کی اور کھانے میں سانپ کا گوشت پیش کیا، شیخ نے نور باطن سے اس کو معلوم کر لیا، اور سانپ کو مخاطب کر کے کہا (برخیز) اٹھ جا۔ سانپ زندہ ہو گیا اور غصہ میں بھرا ہوا وہاں سے چلا گیا، اس دن سے جہاں بھی شاہ تقی کا نام لیا جاتا ہے، وہاں سانپ کا دخل نہیں ہوتا۔

صاحب بحر زخار لکھتے ہیں کہ یہ مرد بزرگ، سلطان سید اشرف جہانگیر (کچھوچھ) کے ہم عصر تھے اور شیخ کبیر حاکم پہلے انھیں کے مرید ہوئے تھے، بعد میں شاہ بھیک فردوسی سے متعلق ہو گئے و بحر زخار ۱۴۲
قلی، سید اشرف جہانگیر قدس سرہ کا سال وفات ۸۸۵ھ ہے، یہ بھی اس بات کا ایک قرینہ ہے کہ شاہ تقی کی وفات بھی نویں صدی میں ہوئی۔

۱۔ جامی تو دام عشق میں گرفتار ہوا اب نام و نسب کو خیر باد کہہ کہ اس راہ میرے
حسب و نسب کوئی چیز نہیں ہے۔ (مسعود)

جرثومہ بن عبد اللہ النّساج

آپ تابعی ہیں حضرت انس کے دیدار سے مشرف ہوئے، ثابت سے تلمذ کیا، اور آپ کے پاس حماد بن زید علی بن عثمان نے زانوئے تلمذ تہ کیا، یحییٰ نے آپ کی توثیق کی ہے، یہ حضرت بھی کپڑے بننے والے اور محدث تھے۔

جمیل بن درّاج

آپ بھی درّاج حاکم کے فرزند ہیں، اور نوح بن درّاج قاضی کے بھائی، خطیبے فرمایا ہو کہ درّاج کے چار بیٹے تھے، اور خدا کی قدرت کہ چاروں نے منصب قضا پایا، ان چاروں میں ایک جمیل بھی ہیں میں نہیں کہہ سکتا کہ آپ کہاں کے قاضی تھے، آپ محدث بھی تھے۔

جاک مصلح الدین

آپ کی اصلی جائے سکونت ولایت منشاقھی، اوائل عمر میں حیانت (رافدگی) میں مصروف رہے، چالیس برس کی عمر میں طلب علم کا شوق دامن گیر ہوا، اور اپنے عصر کے علماء کے پاس دیکر تحصیل کی، اور مدرسہ تیرہ میں درس دیا۔ اور عارف باللہ شیخ محمد جمال اور امیر بخاری کی صحبت اختیار کی، بعد چندے مدرسہ کی ملازمت سے کنارہ کش ہو گئے اور روزانہ تیس درم (تقریباً) بمعہ بطور پنشن کے ملنے لگے، اپنے اوقات کو عبادات و تذکیر و وعظ میں تقسیم کر دیا اور مفت پڑھانے لگے فتویٰ نویسی کرتے اور اس کی اجرت لیتے تھے، عبادت میں بڑے سرگرم تھے، اکثر شب بیدار رہتے بہت تھوڑا سوتے تھے، اور اکثر نمازی میں وجد طاری ہو جاتا، جس کا حاضرین مشاہدہ کرتے تھے، ۳۷ھ میں شہر تیرہ میں وفات پائی رحمہ اللہ تعالیٰ (الشفائق التمانیہ ص ۵۰۵)

شیخ جمال اُچی

شیخ جمال ساکن اُچی (سندھ) بڑے صاحب کمال دلی تھے، تحفۃ الکرام کا مصنف لکھتا ہے، "بحرنت جولاہی صاحب کارگاہ تحقیق بود" (ص ۱۲۲) سید اشرف جہانگیر سمنانی لکھتے ہیں

کہ جب حضرت مخدوم جہانیاں جہاں گشت کی ولادت ہوئی تو ان کے والد بزرگوار ان کو شیخ جمال کی خدمت میں لے گئے اور ان کو درجہ بعد میں مخدوم جہانیاں ہوئے (شیخ جمال کے پیروں میں ڈال دیا، شیخ جمال نے بشارت دی کہ یہ بچہ آفاق عالم میں ایسا ہوگا جیسی یہ رات سارے عالم میں بزرگ ہے، مخدوم کی ولادت شرب برات کو ہوئی تھی (لطائف اشرفی ص ۲۹۲) یہاں یہ بات یاد رکھنی چاہیے کہ سید اشرف جہانگیر اور صاحب تحفۃ الکرام نے شیخ جمال کو شیخ کے لقب سے ذکر کیا ہے،

شیخ جمال اچھی کا ذکر فرشتہ نے اپنی تاریخ میں کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ حضرت شیخ بہار الدین زکریا ملتانی کے مرید تھے، لیکن تربیت ان کے صاحبزادہ شیخ صدر الدین سے پائی تھی علوم ظاہری و باطنی سے بہرہ وافی رکھتے تھے، اور خارق عادت اس جناب سے بہت سرزد ہوتے تھے، (فرشتہ اردو ص ۶۲۳ جلد ۲) اور ص ۶۲۵ میں لکھا ہے کہ مخدوم جہانیاں بچہ کو ان کے والدات برس کی عمر میں شیخ جمال تھندی (اچھی) کی خدمت میں لے گئے اور دست بوسی سے مشرف کیا، شیخ جمال نے خرما دیا، مخدوم جہانیاں اس کو مع گکھلی کے کھا گئے اور پوچھنے پر فرمایا کہ آپ کے ہاتھ سے جو خرما ملا ہے اس کی گکھلی دور کرنا ہے ادبی ہے، شیخ نے فرمایا تو وہ چسراغ ہے کہ اپنے خاندان کو قیامت تک روشن رکھے گا، اہ۔

اس واقعہ کو اختصار کے ساتھ نواب صدیق حسن صاحب نے بھی "الفرع النامی" میں لکھا ہے، مولانا عبدالحی مرحوم ناظم ندوہ نے نزہۃ الخواطر جلد دوم میں شیخ جمال کو الشیخ العالم الکبیر احد المشائخ المشہورین کے عنوان سے ذکر کیا ہے، اور جامع العلوم کے توالہ سے حضرت مخدوم جہانیاں کا یہ قول نقل کیا ہے کہ شیخ جمال درس و افتادہ میں برابر مشغول رہے، اور تمام علوم کا درس دیتے تھے، ہدایہ، ہزدوی، مشارق، مصابیح، اور عوارف وغیرہ پڑھاتے تھے اشعار درس میں کہیں شبہ پیدا ہوتا تو ذرا سر جھکاتے اور پھر سر اٹھا کر حل کر دیتے، صدر مجلس میں بیٹھنے کی طبع نہیں رکھتے تھے، صفِ نعال میں بھی جگہ مل جاتی تو وہیں بیٹھ جاتے، لیکن جہاں بھی بیٹھتے صدر

معلوم ہوتے تھے، موٹے کپڑے پہنتے اور فرماتے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم بھی ایسا ہی پہنتے تھے، بادشاہوں کا ہدیہ قبول نہ فرماتے، پھر آخر عمر میں قبول کرنے لگے تھے اور کہتے تھے کہ پہلے بزرگوں نے لیا ہے، حضرت مخدوم جہانیاں یہ بھی فرماتے تھے کہ میں نے شیخ یافعی کو مکہ میں اور شیخ عبد اللہ طبری کو مدینہ میں یہ فرماتے سنا ہے کہ شیخ جمال اس زمانہ کے یکتا ہیں، مقامات کی بلندی میں ان کی کوئی نظیر نہیں ہے (نزمہستہ الخواطر صفحہ ۲۵)۔

فرشتہ میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت مخدوم جہانیاں نے ایک دیوانہ کی صحت کے لئے کہا کہ اس کو نہلا کر حضرت شیخ جمال کی قبر کی زیارت کراؤ اس کے بعد میرے پاس لاؤ۔ (صفحہ ۶۲)۔
شیخ کی وفات غالباً ۱۰۷۶ھ میں ہوئی، حضرت مخدوم جہانیاں ۱۰۷۲ھ میں یافعی سے ملاقات کر کے ہندوستان آئے ہیں۔ اور جس کسی نے غلطی سے شیخ جمال کی وفات ۱۰۷۶ھ لکھی ہے، میرا خیال ہے ۱۰۷۶ھ کے بجائے ۱۰۷۷ھ لکھ گیا ہے۔

جمال الدین جنید دمشقی

ان کا سلسلہ نسب حضرت معاویہ سے ملتا ہے، ان کا خاندان دولت مند تاجر تھا، جنید اپنے خاندان میں بہت سی خوبیوں کے جامع تھے، اخبار و اشعار و احادیث کے بڑے راوی تھے، اجلہ علماء کے ساتھ ان کی نشست و برخاست تھی، ابتدائے عمر سے اوراد و اشغال کے پابند اور بڑے عبادت گزار تھے، اسی وجہ سے ان کا لقب جنید پڑ گیا تھا، وزیر اور امراء سے بھی ان کی صحبت تھی، مجی نے خلافت الاثر میں اپنے والد کے حوالہ سے لکھا ہے یتعاطی صنعة القماش یعنی کپڑا بنانے کا کام کرتے تھے (مجلد ۱ ج ۱)۔

درویش شاعر

جلیل القدر نواب فصاحت جنگ جلیل رحمہ اللہ

مولانا سید سلیمان ندوی علیہ الرحمہ نے مآثر مارچ ۱۹۷۷ء میں اسی عنوان سے آپ کا ذکر کیا ہے سید صاحب فرماتے ہیں۔۔۔ حضرت جلیل کا پورا نام جلیل حسن تھا، مانیکپور ضلع الہ آباد کے رہنے

والے تھے، حفظ قرآن سے مشرت، فارسی کی اعلیٰ استعداد اور عربی کی تھوڑی واقفیت تھی لیکن شعر و سخن کے اصول و فروع اور لغت اردو کی تحقیق میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے اور یہ فیض ان کو اپنے استاد حضرت امیر مینائی سے پہنچا تھا، جو اتنی تھی کہ استاد کے قدموں سے آکر لگے، استاد نے بھی جو ہر قابل پاکر پوری تربیت کی، "امیر اللغات" کی ترتیب کا کام انجام پارہا تھا جو ۱۲۵۷ھ سے شروع تھا، استاد نے اس کام کا سررشتہ شاگرد کے سپرد کیا، پہلی جلد الف ممدودہ کی شائع ہوئی اور دوسری جلدوں کے مسودے تیار ہونے لگے تھے کہ رام پور ریاستی انقلاب کا دور آیا اتفاق وقت کہ اسی زمانہ میں نواب میر محبوب علی خاں نظام سابق کشور دکن ہندوستان آئے، داغ ہمہ کاب تھے انھیں کے سلسلہ سے امیر مرحوم نے نظام کی خدمت میں بازیابی پائی، اور نظام نے ان کو دکن آنے کا ایسا فرمایا چنانچہ کچھ دنوں کے بعد اس بڑھاپے (۱۹۱۱ء) میں امیر دکن پہنچے اور ایک مہینہ کچھ دن ہوئے تھے کہ فزیز وفات پائی، شاہ خاموش کے احاطہ مزار میں شعر و سخن کے اس مرقد پر دو دفعہ حاضری میر آئی، دعائے مغفرت کے پھول بچھا کر رکھے۔

اس سفر میں شاگردوں میں حضرت جلیل اور صاحبزادوں میں حضرت اختر مینائی ساتھ تھے، مہاراجہ کشن پرشاد نے امیر کے ان دونوں عزیز بچی بڑی قدر کی اور ان کو فوراً اپنے سایہ عاطفت میں لے لیا، اس وقت سے ان دونوں صاحبوں نے حیدر آباد کو اپنا وطن بنا لیا، تقریباً پانچ چھ برس تک صرف مہاراجہ کی سرپرستی میں زندگی بسر کرتے رہے، اسی زمانہ میں ایک گلہ ستہ اور ایک نشر کا ماہوار رسالہ دبذبہ آصفی کے نام سے ان کے اہتمام میں نکلتے لگا، حضرت جلیل نے اسی زمانہ میں تذکیر و تائیت پر ایک محققانہ کتاب لکھی جس میں سات ہزار الفاظ کی تذکیر و تائیت کا فیصلہ درج کیا، پھر اردو کے فن عروض پر ایک رسالہ جس میں اردو کے مستعمل بحر و اوزان کی تشریح کی۔

۱۹۰۵ء میں استاد داغ نے جو نواب میر محبوب علی خاں کے آصف سادس کے استاد تھے، وفات پائی تو اعلیٰ حضرت کی نگاہ انتخاب حضرت جلیل پر پڑی اور ان سے مشورہ کلام فرمانے لگے۔ ۱۹۱۱ء میں جب میر عثمان علی خاں بہادر تخت نشین ہوئے تو وہ مزید قدر دانیوں سے سرفراز ہوئے، اور اب وہ وقت آیا جو اس ماہر و کامل الفن کی قدر شناسی کے لئے مقدر تھا، چنانچہ اس وقت سے مرحوم نے اپنی رحلت تک پورے چھتیس برس اس شاہ عالی جاہ کے قل عافیت میں کمال اطمینان

و قارغ البالی بسر کئے اور بہت سے القاب و العلامات سے سرفراز ہوتے رہے۔

خاکسار (سید سلیمان) کو سب سے پہلی دفعہ ۱۹۱۱ء میں حیدر آباد جانے کا اتفاق ہوا۔ وہ عقیدت جو حضرت جلیل سے مجھے تھی، کشاں کشاں ان کے آستانہ تک لے گئی، بڑی محبت اور شفقت سے ملے اس کے بعد جب کبھی حیدر آباد جانا ہوا ان کے ہاں ضرور حاضری دی۔

مرحوم نہایت دیندار، مہجد گزار، تسبیح خواں، ذکر الہی میں ترنزاں، متین، سنجیدہ کم سخن، متوجع خاکسار اور بڑے پابند وضع تھے، پنجوقتہ نماز باجماعت کا اہتمام تھا، عشق رسول میں سرمست تھے، مرحوم کے یہ اوصاف جوانی ہی سے تھے، حضرت امیر ایک خط میں لکھتے ہیں۔

”مجھے بھی جلیل سے سخت انفعال ہے، اور ان کی کامیابی کا نہایت خیال ہے،

آدمی یہ ایسے اچھے ہیں کہ جہاں ہوں وہاں اسلامی برکات بھیلیں، میں ان کی علیحدگی کو اپنی بد قسمتی جانتا ہوں مگر مجبوری گوارا کرتا ہوں۔“

حضرت جلیل نے فرزند ان ظاہری کے علاوہ حسب ذیل فرزندان معنوی (تقانیف) اپنی یادگار چھوڑے، تاج سخن، جان سخن، مہر سخن، سر تاج سخن، گل صد برگ، عطر سخن، روح سخن نظم میں۔ اور مولف امیر میانی، تعلیم الصلوٰۃ، معیار اردو، تذکیر و تانیث، اردو کا عروض نثر میں۔

حضرت جلیل کو دنیا نے جانشین امیر کہہ کر پکارا، یہ جانشینی حقیقت میں پوری پوری تھی ظاہری و باطنی دونوں اوصاف کے لحاظ سے وہ جانشین تھے، جو زہد و تقویٰ، پابندی دینی اور ذکر و فکر و مراقبہ اور خدا سی استاد میں تھی وہی شاگرد کو ملی تھی، اسی طرح شاعری کے جو اوصاف و خصوصیات امیر میں تھے وہی جلیل میں تھے، استاد کا اتنا صحیح نتیجہ امیر کے تلامذہ میں کم کسی کو نصیب ہوا۔

جلیل کی شاعری کے خاص خصوصیات، کلام کی فصاحت، زبان کی صحت، محاورات کی سپردی، بندش کی چستی، فن کے اصول و فروع کی پوری پابندی اور جملہ کلام چٹو زرد اند سے یکسر پاک ہونا ہے جس کا اندازہ ان کے ہر شعر سے ہوتا ہے۔

آج شاعر بہت ہیں مگر استاد بہت کم ہیں، جو فن کے مسائل پر کامل عبور رکھتے ہوں، جو تمام اصناف سخن پر برابر کی قدرت رکھتے ہوں، جو لفظوں کے ہاتھوں میں نہ ہوں بلکہ لفظ ان کے ہاتھ میں ہوں، جن کو کلام سے زبان کے، الفاظ، محاورات اور امثال کی تصدیق ہو، جن کا دیوان زبان کے سکوں کی ٹکسال

ہو، حضرت جلیل اس دور کے جو میر و میرزا سے شروع ہوا بظاہر خاتم معلوم ہوتے ہیں۔
 یکم صفر ۱۲۶۵ء کو حضرت جلیل نے بچاسی برس کی عمر میں حیدر آباد دکن میں داعی اجل کو لبیک کہا
 (معارف مارچ ۱۹۴۶ء ص ۲۲۵ تا ۲۳۶) جلیل کی علمی و عملی عظمت کا یہ اعتراف اس دور کے سب سے بڑے
 مورخ، وادیب اور درویش عالم جو خوش قسمتی سے سید عالی نسب بھی تھے ان کے قلم سے ہے،
 اس سے آگے کچھ لکھنا بے سود ہے ہاں ایک بات کا ذکر نہایت ضروری ہے جو شاید سید صاحب کے معلوم
 نہ تھی، وہ یہ کہ حضرت جلیل خانوادہ مجددیہ میں حضرت شرف رامپوری سے بیعت تھے۔

حضرت جلیل اسی قوم کے ایک فرد تھے جس کا پیشہ بنائی ہے، مولانا محمد حنیف مرحوم صدر
 مدرس مدرسہ انوار العلوم مئوایہ ضلع الہ آباد ان کے سمدھی تھے۔

جمال شاہ مئوی

مئو ضلع اعظم گڑھ کے باشندہ تھے ہمارے ہی محلہ میں ان کا گھر تھا، ابتدا میں بالکل
 رند مشرب تھے، پھر معلوم نہیں کیا افتاد پڑی کہ دفعۃً لاپتہ ہو گئے، چند دنوں کے بعد مئو آئے تو بالکل
 ننگ بدلا ہوا تھا نہ کسی سے بولتے تھے نہ کچھ بتاتے تھے، چند دنوں کے بعد پھر غائب ہو گئے۔

الحاصل دوسری یا تیسری دفعہ غازی پور یا بنارس میں سدا سہاگ فرقہ کے ایک بزرگ
 روشن علی شاہ سے مرید ہوئے، اور روشن علی شاہ ان کو مئو لائے اور ٹونس ندی کے کنارے
 محلہ پٹھان ٹولہ کے قریب ایک جگہ منتخب کی پھر ان کو اپنے ساتھ بہتیا ضلع غازی پور لے گئے اور جو جگہ
 منتخب کی تھی وہ زمینداروں سے جمال شاہ کو معافی میں دلوادی، ان لوگوں نے اٹھارہ منڈ زمین دی
 اس کے بعد دوبارہ مئو آکر ان سے کہا کہ اس زمین میں امرود کا باغ لگاؤ، اور تادم مرگت ہیں رہو،
 کسی کے دروازہ پر نہ جانا اور نہ باغ کا پھل بیچنا، انھوں نے عمر بھر پیر کی نصیحت پر عمل کیا۔ اور
 کسی کے دروازہ پر نہیں گئے نہ پھل بیچا۔

ان کی ایک زندہ کرامت خود میں نے اور ہزاروں آدمیوں نے مشاہدہ کی ہے کہ انھوں نے
 اپنی زندگی میں دھوبی کے پاٹ کے برابر مگر اس سے کچھ چوڑی دو لکڑیاں ندی کے کنارہ رکھ دی تھیں
 وہ آج تک موجود ہیں، حالانکہ اس ندی میں متعدد بار نہایت ہولناک سیلاب بھی آئے یہاں تک کہ
 آخری سیلاب میں (۱۳۴۵ء) مئو کا نہایت پائدار اور ٹھوس پل بھی ٹوٹ گیا اور ٹوٹ کر ایک تہائی

نذر آب ہو گیا مگر یہ لکڑیاں کبھی نہ بہیں، بارش اور سیلاب کے موسم میں وہ لکڑیاں اسی طرح اپنی جگہ پر پڑی ہوئی مچھوڑ دی جاتی تھیں جب پانی گھٹتا تھا تو اپنی جگہ پر یا دٹش بیٹل قدم آگے جاتی تھیں ان کی صحبت میں کئی ہندو مسلمان ہو کر خدا رسیدہ ہوئے، ان میں ایک مدو ملارح کے جانوروں کے آج بھی موجود ہیں، مدو ملارح کی یہ کیفیت تھی کہ وہ کئی کئی دن تک مسجد سے نکلنے نہیں تھے اور کئی دن قاف سے رہنے کے باوجود کسی سے کچھ مانگتے نہیں تھے، ہاں اگر کسی نے پوچھ لیا کہ کچھ کھائے گا تو آہستہ سے کہتے تھے کیا حرج ہے،

ان کی نسبت مشہور ہے کہ ایک بار وہ اٹھے اور پیادہ پا بھی گئے، پھر وہاں سے کسی طرح حج کے لئے چلے گئے اور پھر لوٹ کر نہیں آئے، حافظ سراج الدین شاہ ساکن ادری جمال شاہ کے خلیفہ تھے، ان کے خاندان میں جمال شاہ کا ضجرہ بیعت موجود ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا سلسلہ شاہ موسیٰ سہاگ احمد آبادی المتوفی ۸۳۵ھ سے ملتا ہے شاہ موسیٰ سہاگ کا حال بركات الاولیاء ص ۳۲ میں دیکھئے، جمال شاہ کے پیتے ان کو چمن شاہ کا لقب عطا کیا تھا، ان کا مزار ٹونس ندی کے کنارہ ان کے باغیچہ میں ہے، تیرہویں صدی کے اخیر میں ان کی وفات ہوئی، اس زمانہ کی اردو میں ان کی کچھ نظمیں لوگوں کو یاد ہیں ان میں انھوں نے اپنا حال وغیرہ ذکر کیا ہے ایک بارہ ماہ بھی ان کا مشہور ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ

آپ کو خزاز بھی کہتے ہیں، امام یافعی نے مرآۃ الجنان میں لکھا ہے "انما قیل لہ الخزاز لانہ کان یعمل الخزاز" (عمل الخزاز کے معنی خربانی) آپ سید الطائفہ کے لقب سے ملقب ہیں، جامی فرماتے ہیں دے ازائمہ و سادات ایں قوم است و ہر نسبت بوے درست کنند چون خزاز و رویم و نوری و شبلی و غیرہم ابو العباس عطاء گوید امامنا فی ہذا العلم و مرجعنا المقتدی بہ الجنید، شیخ ابو جعفر حداد فرماتے ہیں، اگر عقل مروتے بودے بر صورت جنید بودے، اور علمائے تصوف کا قول ہے از میں طائفہ سہ تن بود اند کہ ایشان را چہارم بنودہ جنید بغدادی و ابو عبد اللہ جلالتہ شام و ابو عثمان حیری بہ نیشاپور، ۳۹۷ھ میں وفات پائی۔

علہ آپ کو خزاز اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ آپ خربانی کیا کرتے تھے۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

ابن الحائک ہمدانی

نام و نسب: حسن بن احمد بن یعقوب بن یوسف بن داؤد ہمدانی ہے، متعدد علوم و فنون میں یگانہ روزگار تھے، خزر جی نے ان کے حق میں فرمایا ہے۔

هو الا واحد في عصره، الفاضل على
من سبقه المبرز على من لحقه، لم يولد
في اليمن مثله علماً وفهماً ولساناً و
شعراً وسدايةً وفكراً واحاطةً بعلوم
العرب من الفحو واللغة والغريب والشعر
والايام والانساب والسير والمناقب
والمثالب مع علوم العجم من النجوم
والمساحة والهندسة والقلل (بقية)
ساحت، ہندسہ، اور ہیئت۔

وہ یکتاے زمانہ، اگلوں سے بڑھے ہوئے اور
پچھلوں پر فوقیت رکھنے والے تھے، علم و فہم
زبان دانی و شاعری، نقل و روایت اور
غور و فکر نیز علوم عرب جیسے نحو، لغت
غریب، شعر، ایام عرب، انساب
سیر اور مناقب و مثالب کے احاطہ
جامعیت میں کوئی ان کا مثل یمن میں پیدا نہیں ہوا
علوم عرب تھے وہ علوم عجم پر بھی حاوی تھے جیسے نجوم،

پارسی التماس ماری کر ملی لکھتا ہے :-

”اپنے زمانہ کے سب بڑے عالم تھے، اور لغت، ہیئت، ریاضیات، شعر گوئی،
معرفت انساب، حدیث، تفسیر، فقہ، اور فرائض وغیرہ میں مہارت رکھتے تھے“ (۲۹۸)
اس کے بعد لکھتا ہے کہ

”ہمدانی کو غیر معمولی شہرت، اور ہر علم و فن میں یدِ طولیٰ حاصل تھا“ (۲۹۹)
علامہ شکیب ارسلان فرماتے ہیں کہ :-

حاشیہ بقیہ پچھلے صفحہ ۶۵ کا

۲۵ یعنی وہ اس قوم (صوفیہ) کے امام تھے، سب صوفی ان سے اپنی نسبت درست کرتے ہیں، مثلاً خزار ندیم، نوری اور شبلی
وغیرہم۔ ابوالعباس عطار کہتے ہیں، اس علم میں ہمارے امام اور مرجع و مقتدا جنید ہیں۔ ۲۵ اگر عقل کوئی مجسم چیز اور آدمی کی شکل
کی ہوتی تو وہ حضرت جنید کی شکل و صورت کی ہوتی۔ ۲۵ اس آئینہ میں تین آدمی ایسے ہوئے ہیں کہ دنیا کوئی چو تھا پیدا نہیں ہوا، بغداد میں
جنید شام میں ابو عبد اللہ حبلاء اور نیشاپور میں ابو عثمان خیری ۱۲ منہ

”جزیرۃ العرب کے جغرافیہ نویسوں میں ہمدانی سے بڑھ کر کوئی نہیں ہوا (خاتمہ)۔
 صنّاع (دین) میں پیدا ہوئے، وہیں نشوونما پائی، پھر وہاں سے منتقل ہو گئے اور مکہ معظمہ کی
 اقامت اختیار کی، اس کے بعد پھر یمن کا رخ کیا، اور متعدد یمن اتر پڑے، کسی جیسے وہاں کے
 شعراء سے چشمک پیدا ہوئی اور ہجو بازی کی نوبت آئی، وہاں کے شعراء نے ایک سخت الزام لگا کر
 ان کو قید کر دیا۔ ۳۳۳ھ میں وفات پائی۔

تصنیفات :- ہمدانی کی سب سے زیادہ مشہور و مفید تصنیف، اکیلیں، اور صفحہ جزیرۃ العرب
 ہے، اول الذکر دس جلدوں میں تھی، لیکن اس کا مکمل نسخہ کہیں دستیاب نہیں ہوتا صرف اٹھویں
 جلد (جو ۲۹۶ صفحات پر مشتمل ہے) پادری انتاس ماری کرملی نے تصحیح و تحشیہ کر کے بغداد
 سے شائع کی ہے، اور مؤخر الذکر دو جلدوں میں ہے، صرف دوسری جلد لیدن سے شائع
 ہو چکی ہے۔

ان دونوں کتابوں کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ لگانا ہو تو اکیلیں کا خاتمہ پڑھئے، اس سے
 آپ کو معلوم ہو گا کہ علامہ شکیب ارسلان۔ اور پادری انتاس ماری وغیرہ نے ان کتابوں کی جستجو
 میں کہاں کہاں کی خاک چھانی ہے، اور کس کو کس کو خطوط لکھے ہیں۔

ان کے علاوہ ان کی تصنیفات میں جن کتابوں کا نام لیا جاتا ہے وہ یہ ہیں :-
 سر الحکمہ (ہیئت میں) کتابا ليعسوب (تیراندازی وغیرہ کے بیان میں) زیج ہمدانی
 (جس پر اہل یمن کا اعتماد ہے) کتاب الحیوان، کتاب القوی العماک والمسالک فی عجائب الیمن
 وجزیرۃ العرب، دیوان شعرو جلد -

مورخین کے نزدیک ابن الحاکم کے نام سے ان کی شہرت ہے، سیوطی نے بغیۃ الرعاۃ
 میں، یا قوت حموی نے معجم الادباء میں، اور قفطی نے اخبار الحکمۃ صلاک میں ان کا
 تذکرہ کیا ہے۔ اکیلیں، اور صفحہ جزیرۃ العرب کے حوالے اجلہ مصنفین کی کتابوں میں بکثرت
 پائے جاتے ہیں۔

شیخ حاجی

حضرت خواجہ بہار الدین نقشبند کے معاصر ایک بزرگ شیخ محمد حلاج تھے، شیخ حاجی انہیں

کے خلیفہ تھے، ان کا قیام شہر مرو میں تھا، حضرت خواجہ عبید اللہ احرار نے ان کا یہ حال بیان فرمایا ہے۔

”گاہے بازار برائے رہیماں و مصالح کار خود رفتے غیراں کارے کہ برائے
آں میرفت نمی دانست، بہ نسبت خود آگاہ بود و از غیراں ذاہل، ہرگز بہ بین
و یسار ملتفت نمی شد، ہمیشہ نظر بر قدم داشت“ (ترجمہ) کبھی سوت یا اپنے کام
کی دوسری ضروریات خریدنے کے لئے بازار جاتے تو اس کے سوا کچھ نہیں جانتے
تھے، اپنی نسبت سے باخبر اور اس کے ماسوا سے بے خبر رہتے، دائیں بائیں بھی
نہ دیکھتے تھے، ہمیشہ قدم پر نظر ہوتی تھی، (رضعات ص ۷۷)
ان کے باغذہ ہونے کی تصریح خواجہ احرار نے فرمائی ہے (رضعات ص ۷۷)

حسین بن ابوبکر نساج

سلسلہ نسب یوں ہے، حسین بن ابی بکر بن حسین بن ثابت بن منصور بن علوی بانی ثم جلیبی
ثم صالحی، — ۲۵۶ھ میں پیدا ہوئے، مشرف بن نابلسی سے ۱۱۷ھ میں حدیث کی سماعت
کی، اور حدیث کا درس دیا۔ برزالی محدث مشہور کے استاد ہیں، انھوں نے اپنے مجسم
میں ان کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ رجب ۲۵۶ھ میں ان کی وفات ہوئی (درر کا منہ ص ۲۵۶ مطبوعہ
حیدر آباد نیز کتاب مذکور علی نسخہ بانکی پور ص ۳ ج ۱)

حضرت شاہ حمید رسنہلی

حضرت شاہ شاہی رسنہلی کے صاحبزادہ اور خلیفہ برحق تھے اپنے پدر بزرگوار کے
طریقہ پر عبادت میں مستقیم تھے، گھر سے باہر کہیں نہ جاتے تھے اور مشغول با خدا رہتے، اکثر بیماریاں
کے علاج سے حکیم لوگ عاجز ہو جاتے ان کی دعا اور توجہ سے شفا پاتے تھے، باوجودیکہ امی تھے
مگر ان کی عظمت کا اتنا رعب تھا کہ کوئی براہ راست ان کی خدمت میں حاضر ہو کر حاجت بیان
نہیں کرتا تھا بلکہ ایک خادم کے ذریعہ حال کہلاتا تھا اور وہ ایک کاغذ پر ایک لمبی لکیر

کھینچ کر دیدیتے تھے اسی سے حاجت برآتی تھی۔ صاحب بحر زخار لکھتا ہے کہ ان کی اتنی کرامتیں مذکور و مسطور ہیں کہ اس مختصر میں ان کے بیان کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ (بحر زخار ص ۱۲۲)

شیخ حسین بن احمد بن حسین شیرازی

مشہور زائد و عابد گزے ہیں، صاحب حال و وجد تھے، ان پر حال طاری ہوتا تو سب کچھ دیتے تھے، اور اگر منہ سے کوئی چیخ نکل جاتی تھی تو سننے والے کے دل کیف و ذوق سے بھر اٹتے تھے، شیخ ابو عبد اللہ خفیف سوائے ان کے کسی کے حال سے خوش نہیں ہوتے تھے، ہر روز ایک ہزار رکعت ان کا معمول تھا، ان کے والد کے ذکر میں پہلے آچکے کہ وہ بنائی کر کے قوت حاصل کرتے تھے، شیراز میں اپنے والد کے ساتھ مدفون ہیں (شد الاذار مطبوعہ ایران) سیرت ابو عبد اللہ الخفیف ص ۲۰ میں ایک نام ابو سعید نساج آیا ہے شاید وہ یہی بزرگ حسین بن احمد ہیں۔

لال حسین لاہوری

شیخ حسین لاہوری شیخ بہلول دریائی کے خلیفہ تھے، ان کا دادا کلچس رائے ہندو تھا، فیروز شاہ تغلق کے وقت دین اسلام قبول کیا، اس کا بیٹا عثمان دیندار آدمی تھا اور جولاہوں کے کام سے قوت حلال پیدا کر کے گزارہ کرتا۔ ان کے گھر شیخ پیدا ہوئے، چونکہ پوشاک سرخ رکھتے تھے اس لئے لال حسین مشہور ہوئے۔ ان کی کرامتیں حقیقۃ الفقر اور خزینۃ الاصفیاء میں مذکور ہیں۔ لکھا ہے کہ ان کے کامل و مکمل خادم نو ہزار تھے، اور مریدوں کی تعداد ایک لاکھ پچیس ہزار تھی، مسئلہ میں بعد اکر ان کی وفات ہوئی (حلیۃ الاولیاء ص ۱۰۱)

حکیم سفید باغ

ان کو شیخ عبد القدوس گنگوہی نے "برادریم" کے لفظ سے یاد کیا ہے، (مکتوبات قدوسی) اہل نظر کے نزدیک قطب الاقطاب کے قلم سے یہ لفظ ان کے لئے بہت بڑا سرمایہ افتخار ہے،

حضرت شیخ کے مخلص مرید اور بڑے عبادت گزار تھے، حاشیہ مکتوبات قدوسی میں ہے:-
 ”مرید مخلص و متعبد بود“ اسی میں یہ بھی مذکور ہے کہ وہ راجے کے نام سے مشہور تھے، شیخ
 عبدالکریم سہارنپوری ایک نہایت نامور کامل و عالم گذرے ہیں، شیخ عبدالقدوس کے دوستوں
 میں تھے، حبیب ان کے پاس بھی جایا کرتے تھے،

ناچیز کہتا ہے کہ میرے نزدیک یہ حبیب سہارنپور کے باشندہ اور بھولا سپید باغ
 دجن کا ذکر ادھر ہو چکا ہے) کے بھائی ہیں بھولا کے حال میں معلوم ہو چکا ہے کہ ان کے ایک
 بھائی راجے نام کے تھے۔

شیخ حیدر بن فرابیک موصلی شافعی

عالم فاضل اور عابد زاہد تھے، علوم میں یدِ طولیٰ حاصل تھا، مسئلہ میں پیدا ہوئے لہرہ
 میں سید یوسف کے خاندان سے طریقہ رفاعیہ حاصل کیا، اور معراج کمال کو پہنچے دنیا سے
 یکسر کنارہ کش تھے، کسی کے پاس آتے جاتے نہ تھے، نہ کسی کا زیر بار احسان ہونا پسند کرتے تھے
 دوسرے لوگ البتہ ان کے ممنون کرم تھے، ایک دفعہ حلب کا سفر پیادہ پاکیا، کسی تاجر نے
 سواری پیش کی تو قبول نہ کیا، موصلی میں ان کی کھلی کرامات کا مشاہدہ کیا گیا، لوگ ان کی قلا
 کے قائل تھے، بہت معروف و مشہور بزرگ تھے۔

۱۱۹۵ھ میں راہی دار البقا ہوئے، کپڑے بنتے تھے، اور یہی ذریعہ اوقات لمبری
 تھا۔ (دسلک الدرر ص ۷۷ جلد ۲)

حاجی حکیم مولوی حسن علی صاحب ہساری

مسائل السالکین ص ۶۸ پر ہے

جناب حاجی حکیم مولوی حسن علی صاحب میرے شہر (سہرام) کے باشندے تھے، یہ صاحب بڑے
 عالم فاضل اور صفات ظاہری و باطنی سے آراستہ و پیراستہ تھے، تاریخ ۱۲ ربیع الاول ۱۲۹۱ھ کو آپ (شاہ
 شیر محمد پٹیلی بھیتی) کے مرید ہوئے، حضرت شاہ صاحب ان کو بہت چاہتے تھے اور دل سے ان کی قدر

کرتے تھے، کہتے ہیں کہ آپ نے دربارہٴ خلافت ان سے استمراجاً دریافت کیا، انھوں نے عاجزی کے ساتھ عذر کیا کہ مجھ میں اس منصبِ جلیلہ کی لیاقت اور اس کام کو انجام دینے کی قدرت نہیں ہے اس لئے حضرت نے ان کو معذور رکھا، یہ بزرگ سلسلہ میں راہی ملک بقا ہوئے، ان کے صاحبزادے حضرت مولانا حاجی محمد قادر بخش صاحب بڑے عالم فاضل فقیہ و محدث کامل اور اپنے وقت کے واعظِ عدیم المثل ہیں انھوں نے ایک بار حضرت قبلہ و کعبہ (شاہ شیر محمد صاحب) کے حضور میں بھی وعظ فرمایا جس کو سنکر حضرت بہت خوش ہوئے اور ایک جلدِ مثنوی معنوی مولانا دوم کی عطا فرمائی جو ہنوز مولانا ممدوح کے پاس موجود ہے۔

شیخ خدا بخش منڈوی

آپ کے آباء واجداد ہجری آٹھویں صدی میں عربستان سے ہند میں آئے تھے، آپ کے پیر بیعت شیخ فضل اللہ بن شیخ حسین ملتانی چشتی (المتوفی ۷۱۷ھ) ہیں، ابتدا میں آپ کا پیشہ نمد بانی تھا حریر فردشی کی بھی دوکان کر رکھی تھی، اور الکاسب حبیب اللہ کے لباس میں بیکتا درویش تھے، سرمایہ میں سے روزانہ محنت کا فائدہ حاصل کر کے ایک حصہ مستحق فقرہ کی نذر کرتے تھے، ایک حصہ عیال و اطفال کی معاش کے نامزد کرتے تھے، اور ایک حصہ اپنی قوت اور مہانوں کی ضیافت کے نام سے اٹھا رکھتے تھے، پندرہ سال کی عمر سے چالیس سال تک اس انتظام سے بسر کیا، اس کے بعد تہجد گزینی کا نشہ اور خدا طلبی کا جوش پیدا ہوا، اور جو کچھ گذرا اوقات کی واسطے باطن میں تھا سب بے اختیار ہو کر عام محتاجوں کو لٹا دیا اور خود درویشی کا جامہ پہنکر معرفتِ الہی کی تحصیل کے لئے ہر ایک دل اور ہر ایک دروازہ سے گدائی کرنے لگے، آخر کار ۹۸۱ھ میں پیر کی بابرکت صحبت سے اضطراب میں کمی اور شورشِ دل کو تسکین حاصل ہوئی، تو ساگر تالاب کے کنارے ایک پشتہ پر ایک کہنہ مسجد تھی اس کی مرمت کر کے قبر کی طرح ایک چھوٹا حجرہ اس کی چھت کے نیچے بنایا جو آبادی سے ایک کوس دور ہے، اس تاریخ سے سلسلہ تک اس حجرہ میں استقامت کے ساتھ تنہا بیٹھے رہے، فقر و بے نوائی کے جس درجہ کے متلاشی تھے وہ حسب استعداد آپ کو حاصل ہوا، آپ کا آستانہ اگرچہ اکابر و اصاغر کا مرجع بن گیا تھا، مگر آپ تک باریابی عالیشان سلاطین

اور امراءِ اعظم کے بھی اختیار اور قبضہ قدرت میں نہ تھی، بلکہ آپ کی عنایت اور آپ کی ارادت کے متعلق تھی، صرف بمقدار ایک فاتحہ پڑھنے کے باخلاص آنے والوں کے نزدیک بیٹھ جاتے تھے، بلکہ اکثر اوقات کھڑے ہی رہتے اور جو کچھ خشک و تر اس وقت ہاتھ میں موجود ہوتا پیش کر کے رخصت ہو جاتے۔ سوائے گوشہ نشینی کے مرید کرنا، خانقاہ بنانا، خادم رکھنا، ہنگامہ و عرس کو رد و نق دینا، اور سرود و سماع کی مجلس گرم کرنا وغیرہ وغیرہ جو سلسلہ دوست مشائخ کا طور طریقہ ہے، آپ کی آزاد اور تنہائی پسند طبیعت اس کی مقید نہیں تھی۔ مصنف گلزار ابرار کے لڑکے عبدالاول، شیخ خدا بخش کے داماد تھے، (گلزار ابرار ص ۵۴۵)

حضرت خورم شاہ بدایونی

بدایوں میں بافندہ قوم کے ایک بزرگ مجذوب تھے صاحب بحر زخار لکھتے ہیں کہ ان کے لئے تصرفات منقول ہیں کہ قلم اس کے احاطہ سے قاصر ہے، بہت زیادہ مغلوب الاحوال تھے اور ان سے بہت زیادہ کرامتیں ظاہر ہوئیں، ذاب شجاع الدولہ کے نمانہ میں تھے (بحر زخار ص ۲۸۲)

شاہ خیر اللہ لکھنوی

حضرت شاہ برخوردار لکھنوی کے داماد اور شاہ معصوم کے مرید تھے، شاہ برخوردار کی وفات کے بعد شاہ میں ان کے جانشین ہوئے، شاہ برخوردار بافندہ تھے (بحر زخار ص ۱۴۴) شاہ معصوم کا ذکر آگے آتا ہے۔

حضرت شیخ خیر نساج

آپ کا نام محمد بن اسماعیل یا خیر بن عبد اللہ تھا بغداد میں سکونت تھی، یہ وہ بزرگ ہیں کہ شیخ وقت حضرت شبلی اور ابراہیم خواص ان کی مجلس میں حاضری دیتے تھے اور انھیں کی مجلس میں تائب ہو کر فائز المرام ہوئے، سید الطائفہ جنید نے آپ کی توصیف ایک مختصر مگر نہایت جامع لفظ میں کی ہے خیر خیرنا، ایک سو بیس برس کی عمر پائی،

صاحب سفینۃ الاولیاء نے لکھا ہے گاہے جولاہگی کر دے گاہے بلب آب و جلہ شدے ماہیاں بوئے تقرب جستند۔ ایک کرامت اور آپ کی منقول ہے کہ ایک بڑھیا کے کپڑے آپ نے بنے تھے، وہ اجرت لائی، آپ سے ملاقات نہ ہوئی تو دجلہ میں ڈال کر چلی گئی، یہ دجلہ کے کنارے پہنچے تو ایک مچھلی منہ میں لیکر حاضر ہوئی، (تاریخ المنوال ص ۳۲) خیر ناسج کی وفات ۳۲۲ھ میں ہوئی۔ بعض لوگ بیان کرتے ہیں کہ حضرت خیر ناسج پیشہ کے طور پر یہ کام نہیں کرتے تھے بلکہ ایک دفعہ پکڑ لئے گئے تھے، تو چار ماہ تک کام کیا تھا۔ لیکن جہاں یہ لکھا ہے وہیں یہ بھی لکھا ہے کہ ایک دن ایک جوان ان کے پاس آیا، جس کا ہاتھ سوکھ گیا تھا، خیر نے اس کا سبب پوچھا تو اس نے بتایا کہ میں نے آپ کے کپڑے کھ گرہ کھول کر ایک درہم لے لیا تھا، آپ نے فرمایا کہ وہ گھروالوں کے کاتے ہوئے سوت کی قیمت تھی، خیر جاؤ، اس کو لے لو، اور پھر ایسا نہ کرنا، اس کے بعد خیر ناسج نے اس کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ پھیر دیا۔ وہ اچھا ہو گیا، اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ ان کے گھربنائی کے قسم کا کام ضرور ہوتا تھا۔ (دیکھو صفحہ الصفوۃ)

ابن الدقاق صالحی اعزازی

ابراہیم بن محمد بن عتاب نام تھا، ۶۸۶ھ میں پیدا ہوئے ابن القواس سے عمل الیوم و اللیلۃ لابن السنی کا ایک حصہ سنا اور علی بن احمد بن عبداللہ الم اور علی بن ابی محمد مغاری اور داؤد بن حمزہ وغیرہم سے بھی حدیثیں سبیں قدرے قلیل لوگوں کو حدیثیں سنایا کرتے تھے، ۷۱۷ھ میں ان کی وفات ہوئی، حافظ ابن حجر نے دررکامہ میں لکھا ہے کہ وہ حاکم تھے (ص ۶۲)۔

دوست محمد نور باؤ

فتح پور ضلع بارہ بکی کے رہنے والے تھے۔ شاہ گنج علی (جن کا ذکر آگے آئیگا) کے مرید ہو کر کاروبار چھوڑ بیٹھے، اور شب و روز پیر کی خدمت میں رہنے لگے، بالآخر درویش کامل ہوئے، (تعریف العارفین قلمی ذکر شاہ گنج علی)

محمد درویش دہکی

حسینی نے شاعر ابدال کیش محمد درویش کے عنوان سے ان کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ قزوین کے ایک محلہ دہک کے رہنے والے اور شعر و سخن کی کسوٹی تھے "امیر علی شیر نے لکھا ہے کہ خطہ عراق کے شعراء میں دہکی کے شعر سے بہتر میں نے کسی کے شعر نہیں سنے، حضرت مولانا جامی بھی دہکی کی شاعری کے معتقد تھے، حالانکہ دہکی کی نگاہ میں شاعری کے لحاظ سے مولانا جامی کی کئی وقعت نہ تھی، مولانا جامی جب حج کے لئے روانہ ہوئے ہیں تو دہکی کے گھر جا کر ملاقات کی، مگر دہکی نے رخصت ہونے کے بعد یہ اشعار کہے،

اے باد صبا بگو بجای
کامے دزدِ سخنوران نامی
بردی اشعار کہتہ و نو
از سعدی و انوری و خسرو

اکنوں کہ سر حجاز داری
و آہنگ حجاز ساز داری

دیوان ظہیر فارابی
در مکہ بدزد اگر بیابی
حسینی نے کہا انصاف یہ ہے کہ دونوں ماہر اور استاد تھے (تذکرہ حسینی صفحہ ۱۲۲)
دہکی مولانا جامی کے معاصر تھے، اور مولانا جامی کی وفات ۸۹۵ھ میں ہوئی ہے۔ حضرت
مرزا مظہر جان جاناں نے خریطہ جواہر میں دہکی کے حرب ذیل اشعار کو منتخب کیا ہے۔
در نسخہ کہ وصفِ لبست را بیاں کنم
جاں در میاں نہم کہ ورق را نشان کنم
چوں بایاد خطت آہے بر آید از دل چلکم
پس از مردن شود ابرو دے گرد بر سر خالم
حسینی نے لکھا ہے گاہے بکرب جولاہگی و گاہے بخت مالی معیشت میگرد (تذکرہ حسینی صفحہ ۱۲۲)
حسینی نے بھی دہکی کے اشعار کا مختصر انتخاب دیا ہے۔ ایک شعر یہ ہے
دل نگر و خوش مرا از دوستان دیگران
چوں تواند زندہ بودن کس بجان دیگران

۱۔ اے باد صبا! جامی سے کہو کہ اے مشہور سخنوروں کے سارق، تو سعدی، انوری اور خسرو کے قدیم و جدید اشعار لے آ، اب جبکہ تو حجاز میں ہے اور آہنگ حجاز کا ساز رکھتا ہے، تو ظہیر فارابی کا دیوان اگر مکہ میں ملے تو لے آنا۔ (خسرو) مکہ میرادل و دستوں سے خوش نہیں ہوا، کوئی شخص مدسروں کی جان پر کیوں کر خوش رہ سکتا ہے۔

شیخ رحیب قدس اللہ سرہ

مخدوم شیخ بھیکھ کے مرید تھے، موضع رام دایہ میں جو درگاہ میر سید اشرف جہانگیر قدس سرہ (کچھوچھ) سے ایک کوس کے فاصلہ پر واقع ہے، ان کا مزار ہے، مرآۃ الاسرار میں ہے کہ ان کا قوم جاٹک بود، احوالے بلند داشت، یعنی قوم کے بافندہ تھے، بلند حالات رکھتے تھے۔

شیخ زائر اللہ مانڈوی

آپ شیخ عمر مانڈوولے کے بیٹا ہیں۔ آپ کے دادا کے یہاں قالین بننے کی کارگاہ تھی سلطان خج کا زمانہ تھا کہ مانڈو میں آئے تھے، شیخ عمر نے بزرگوں کا پیشہ ترک کر کے درویشی کا لباس اختیار کر لیا، بہت کچھ کمالات حاصل کر کے دنیا سے رجعت فرمائی۔

شیخ زائر اللہ نے باپ کے مراسم باپ سے زیادہ ادا کئے، پرہیز، توکل، خوفنودی، کوشش سپاس اور راستی، یہ صفات آپ کے خمیر میں تھے، اسی رفتار سے اپنی عمر انتی سال تک پہنچائی، ۵۵ھ میں روزانہ گلزار ابراہیم کے مصنف کی مسجد میں قرآن سننے اور تراویح پڑھنے کے لئے آتے تھے، چونکہ گھر دور تھا اس لئے رات بھی اسی جگہ بسر کرتے تھے، اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ ہماری آخری تراویح ہے، اگلے سال رمضان سے پہلے ہی عید وصال نصیب ہو گئی، خوابگاہ مانڈو میں ہے (گلزار ابراہیم ص ۳۴۱)

شیخ سدھی سپید پاف

حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی کے شیخ، شیخ الاسلام شیخ بن حکیم اودھی کے زمانہ میں بڑے کامل ولی تھے، شیخ گنگوہی نے اپنے شیخ مذکور کی زبانی حکایت فرمائی ہے کہ ایک دن شیخ سدھی نماز میں شریک ہوئے اور ایسی محویت و بیخودی طاری ہوئی کہ سب مصلی نماز پوری کر کے فارغ ہو گئے اور یہ کھڑے کے کھڑے تھے، جب لوگوں نے ان کو آگاہ کیا تو بولے کہ میں اس فکر میں تھا کہ خدا کو دیکھتا ہوں (یاد دیکھوں) اس کے سوا مجھ کو کچھ خبر نہیں ہے، شیخ فرماتے ہیں کہ سدھی پر کبھی

کبھی یہی حال واستغراق نماز میں طاری ہو جایا کرتا تھا یہاں تک کہ اخیر اخیر میں ہر وقت غمویت رہنے لگی، اور کسی وقت گویا ہوش میں نہیں رہتے تھے (مکتوبات قدوسی ص ۲۲)

حضرت شاہ شاہیؒ

آپ کا نام نور الدین محمد تھا (تعریف العارفین) آپ قادری سلسلہ میں خواجہ بہاؤ الدین کے وہ شیخ ابوالفتح کے وہ شیخ ابراہیم کے وہ مخدوم فتح اللہ ملتانی کے وہ شاہ ابوالعباس کے وہ میر حسن کے اور وہ سید موسیٰ قادری کے خلیفہ تھے، صاحب خلاصۃ التاریخ نے شیخ شاہی کا شاہ قمیص قادری سے بیعت ہونا بیان کیا ہے، صاحب بحر زخار کہتا ہے کہ شاید ان سے بھی خرقہ خلافت پایا ہو۔

صاحب بحر زخار خلاصۃ التاریخ سے ناقل ہے کہ ان کی ٹھیک یہ حالت تھی کہ دل بارود ست بکار، ہمیشہ کپڑا بنتے اور ہر تار پر کلمہ پڑھتے جاتے، ان کا بنا ہوا کپڑا ہر امیر و غریب کفن کے لئے خریدتا، ان کا دائمی معمول یہ تھا کہ صبح کی نماز عید گاہ میں پڑھتے ۱۔ اُشت کے وقت تک دعائے سیفی وغیرہ بلند آواز سے پڑھتے رہتے پھر گھر آکر ظہر کے وقت تک کپڑا بنتے، اس کے بعد سے تلاوت قرآن کرتے رہتے، کپڑا بیچ کر اس کی قیمت ایک جگہ چھپا کر رکھتے تھے اسی میں سے ہر سال کو دیا کرتے تھے ایک آدمی کو معلوم ہو گیا اور اس نے وہ روپے پیسے چرائے مگر ہاتھ میں لیتے ہی وہ کنکر ہو گئے، شیخ کی کرامتیں بہت زیادہ ہیں۔

۵۶۸ھ میں وفات ہوئی۔ شاہ شاہی کے بعد ان کے لڑکے حضرت شاہ حیدر ان کے جانشین ہوئے، ان کے علاوہ ان کے متعدد عالی شان خلفاء ہیں از انجملہ شاہ عبدالملک دکنی ہیں ٹھٹھ، بہار، سورت اور علاقہ گجرات میں ان کے بے حد و حساب مریدین تھے اور اکثر تصوف میں بہت اونچا مرتبہ رکھتے تھے مثلاً شاہ غلام محمد و شاہ عنایت اللہ (جن کے ایک لاکھ کے قریب

۱۔ انہیں کے خلیفہ شاہ پیر محمد اورنگ آبادی ہیں جن سے شاہ فاضل سورتی نے خلافت

پائی تھی - (حقیقت السورت ص ۶۲)

مرید تھے) (بحر ذخارہ ص ۱۲۴) ان تمام حضرات کے حالات و کرامات تعریف العارفین (اس کا قلمی نسخہ احقر کے پاس موجود ہے) میں شرح و بسط سے مذکور ہیں۔

صاحب تعریف العارفین نے شیخ شاہی کی بزرگی و کرامات کا ذکر بہت تفصیل سے کیا ہے مگر وہ اس غیر اسلامی پروپنڈہ سے کہ بافندگی رذالت ہے اتنا متاثر و خوں زد ہے کہ انکی بافندگی کی طرف اشارہ تک نہیں کیا ہے، وہ ہندوستانیوں کی ذہنیت سے خوب واقف ہے جانتا ہے کہ یہ لکھدیتے کے بعد شیخ شاہی کی بزرگی و ولایت سب پر پانی پھر جائے گا۔ ورنہ ان کا بافندہ ہونا بالکل یقینی ہے، سید شاہ کمال سنبھلی ان کے معاصر اور ہم سبق ہیں وہ اپنی تصنیف اسرار یہ میں لکھتے ہیں :-

شیخ شاہی سنبھلی سا ڈھورہ شاہ قیص میں قادری سلسلہ میں مرید تھے، وہ پارچہ بات تھے ان کا روز کا معمول یہ تھا کہ صبح کو عید گاہ میں فجر کی نماز پڑھ کر چاشت تک سیفی وغیرہ دعائیں بلند آواز سے پڑھتے رہتے پھر گھر آکر ظہر کی نماز تک کپڑا بننے وہ درویش کامل تھے، اور اگلے درویشوں کی وضع پر زندگی بسر کرتے تھے، ان کی دعا مقبول تھی اکثر بیمار ان کی توجہ سے شفا پاتے تھے میں ٹوکیں سے ان کو جانتا پہچانتا ہوں، اور شیخ فاضل کے بھائی ملا عبد الکریم کی خدمت میں ملوں ہم دونوں ہم دبستاں (ساتھ پڑھتے) تھے اس وقت سے آخر عمر تک ان کا لباس ایک ڈھنگ کا رہا، سر پر لنگی، بدن پر کپڑا، اور نیچے ایک تہمد۔ میں ان کی آخری بیماری میں ان کی عیادت

شیخ شاہی سنبھلی مرید در سلسلہ قادریہ است در سا ڈھورہ شاہ قیص وے ناج بود وظیفہ شبانروزی وے آں بود کہ ہر صبح بعید گاہ رفتے و نماز بامداد گزاردے و تا چاشت و عاشق سیفی وغیر ذالک بلند خواندے و بجات آمدے و تا نماز پیشین جامہ ہفتے۔ اس کے بعد لکھتے ہیں کہ درویش صاحب کمال بودہ و بوضع درویشان سابقین زندگانی کردے و دعائے وے قبولے داشتے اکثر بیمار از توجہ وے شفا یافتے من وے دا انایام صبا ی شنا سم مدتے ہم دبیرستاں بودہ ام پیش ملا عبد الکریم برادر شیخ فاضل ازاں گاہ تا آخر عمر لباس وے بیک وتیرہ بودا، فوطہ بر سر و جامہ دربر و تہبند در زیر، در بیماری آخر وے من عیادت رفتم پرسیدم حال چیست گفت عاجزم عاجزم غربت بسیار از وے ظاہر شد ۲ جمادی الاخری ۱۲۸۵

وفات یافت قبر متصل بیدگاہ و اسجا درخت نیم کو گیا، حال پوچھا تو فرمایا میں عاجز و بیکس ہوں نیک نشانہ است (اسرار یہ قلمی مسئلہ ۲۶) میں عاجز و بیکس ہوں، بڑی سبکی ان سے ظاہر ہوئی، جمادی الاخریٰ ۱۰۵۰ھ میں وفات پائی (سنبھل میں) عید گاہ کے متصل ان کی قبر ہے اور وہاں نیم کے درخت انھیں کے نصب کئے ہوئے ہیں۔

شرف نساج

شیخ جلال الدین سیوطی نے حسن المحاضرہ میں لکھا ہے کہ شرف نساج بن غنون اسکندری نزہت مضر نہایت تادور الکلام شاعر اور بڑا فاضل ادیب تھا اس فن میں کامل دستگاہ اور فصیلت تمام رکھتا تھا۔

شیخ صالح بن قاسم حری موزن

آپ کی کنیت ابو حامد تھی، ابن کوزہ کے لقب سے مشہور تھے، ان کے والد کا لقب کوزہ اور نقال تھا، نقال اس کو کہتے ہیں جو چیزوں کو ادھر سے ادھر منتقل کرتا ہے۔ حافظ منذری نے تمکد ص ۱۵۹ میں ان کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ وہ شیخ صالح تھے ان سے ہم کو اجازت حدیث حاصل ہے بغداد سے کئی بار انھوں نے اجازت نامہ بھیجا ہے، ان کا تواتر النساج القزائن کے الفاظ سے کرایا ہے، ان کا سال وفات ۶۲۰ھ ذکر کیا ہے۔ اسی کتاب میں ان کے لڑکے شیخ ابراہیم کا ذکر بھی منذری نے کیا ہے، ان کی وفات ۶۲۰ھ میں ہوئی (تمکد ص ۵۴۱)

حضرت ضیاء الدین غازی پوری صوفی حاکم

مولوی نور محمد صاحب لکھتے ہیں، حضرت شیخ ضیاء الدین غازی پوری مرد کامل صا کر امت ولی اللہ تھے ان کی کرامت یہ مشہور ہے کہ ایک ستون پتھر کا جو ابھی تک ان کی مسجد میں موجود ہے پھوٹا ہوتا تھا، (ان کی دعا سے) بڑھکر اور ستونوں کے برابر ہو گیا، یہ بزرگ بھی اس حریف کرنے والوں میں تھے، اور شیخ نور بات تھے ان کی قبر کی ہر جمعرات کو لوگ زیارت

کرنے جاتے ہیں، بڑا مجمع ہوتا ہے۔

کمترین کہتا ہے کہ میرے ایک غازی پوری دوست نے غازی پورہ ہی کے ایک نسان بزرگ کی دو حکایتیں ذکر کی ہے، وہ بھی غالباً آپ ہی کی ہوں گی:-

(۱) ایک دفعہ آپ کے محلہ کے کسی شخص نے آپ کی کارگاہ کے پاس جا کر کہا کہ مچلی کھلیئے پہلے تو آپ یہی کہتے رہے کہ میں اپنے کام میں ہوں مچلی کہاں سے لاؤں، جب وہ بہت مصروف ہوئے تو آپ نے کارگر میں ہاتھ ڈالا اور ایک تازی مچلی نکال کر دیدی۔

(۲) ایک دفعہ کچھ شریر لوندے ایک بڑھیا کے زندہ لڑکے کا مصنوعی جنازہ تیار کر کے لائے اور آپ سے کہا ایک شخص مر گیا ہے ذرا نماز جنازہ پڑھا دیجئے اور بہت آپ کو تنگ کیا، ہر چند انکار کیا مگر وہ نہیں مانے، مجبوری آپ اٹھے اور نماز جنازہ پڑھا دی، شریروں نے ایک قہقہہ لگایا اور چادر ہٹا دی، دیکھا تو وہ واقعی مردہ تھا۔

مولانا حکیم محمد طاہر (پورہ شیخ معروف)

آپ کا مولد و مسکن پورہ شیخ معروف تھا، مولانا محمد قائم امام جامع مسجد منو اور مولانا سخاوت علی جوہری سے علوم ظاہر اور مولانا کرامت علی جوہری سے باطنی فیوض حاصل کئے مولانا کرامت علی سے آپ کو خلافت و اجازت حاصل تھی، علم طب میں آپ کا بڑا شہر تھا حدیث و فقہ سے بھی شغف تھا، خطاط بھی تھے، نہایت ضخیم ضخیم بیسیوں کتابیں مثلاً صحیح بخاری، صحیح مسلم، مجالس ابرار، اشعۃ اللمعات وغیرہ ان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی آج بھی موجود ہیں، غیر معمولی جسمانی قوت کے مالک تھے۔

۱۳۶۰ھ میں حجاز کا سفر کیا اور اس سفر میں حضرت شاہ محمد اسحاق دہلوی سے حدیث کی کچھ کتابیں پڑھیں اور اجازت حاصل کی، شاہ صاحب کا دستخطی اجازت نامہ ان کے ورثہ کے پاس موجود ہے۔

۱۳۹۶ھ میں آپ کی وفات ہوئی، آپ کا ذکر "معارف" دسمبر ۱۳۹۶ھ میں بھی ہے، آپ نائب قاضی بھی تھے، قاضی محمد سلیم نے ۱۳۵۷ھ میں ایک معاملہ میں ان کو ایک تحریر بھیجی ہے۔

اسیں لکھتے ہیں "عزیز القدر مولوی محمد طاہر نائب القاضی بغایت باسندہ" اس تحریر کی نقل میسر پاس موجود ہے۔

شیخ طاہر جبرینی محدث حلب

طاہر بن مہناشافنی جبرینی الاصل حلبی المولد، یگانہ روزگار علامہ، اور محقق فاضل تھے، علوم عقلیہ و نقلیہ کے جامع اور سچے ذہین و ذکی تھے، بحث و تحقیق میں یکتا، عبادت اور زہد و تقویٰ میں فرد تھے، ۸۲ھ میں پیدا ہوئے، طلب علم کے شوق میں حجاز تک کی خاک چھانی، عبداللہ بن سالم بصری اور تاج الدین قلعی حنفی اور شیخ ابوالحسن سندھی وغیرہم سے فن حدیث حاصل کر کے وطن کی طرف مراجعت فرمائی اور درس و افتادہ میں مشغول ہو گئے، جن لوگوں نے ان سے نفع اٹھایا ان کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ شمار نہیں ہو سکتے، کتاب المغازی تک بخاری کی شرح یا حاشیہ لکھا، کبھی کوئی وظیفہ قبول نہیں کیا، الاجہ (ایک قسم کا کپڑا) بننے اور بنواتے تھے، اور اسی سے کفایت حاصل کرتے تھے۔

ربیع الاول ۳۷۱ھ میں وفات پائی، سید عبداللہ یوسفی حلبی نے تاریخ وفات کہی ہے
 ارحمہ بعلی الجنا : ن محدث الشہداء حلا (سلک الدرر ۱/۱۲۱)

حضرت عزیزان رحمۃ اللہ علیہ

نام خواجہ علی دامتینی، حضرت عزیزان لقب، دامتین ولایت بخارا کا بہت بڑا قصبہ ہے اسی سرزمین کو آپ کے مولد ہونے کا شرف حاصل ہے یہیں نشو و نما پائی اور تحصیل علم میں مشغول ہو کر درجہ کمال کو پہنچے، مواہب سرمدیہ میں ہے، واشتغل بتحصیل العلوم الشرعیۃ حتیٰ تفضل منہا (ص ۹۷)

۱۔ میں نے اس کی تاریخ یہ نکالی کہ محدث شام جنت کو سدھارے۔ (مسود)

۲۔ علوم شرعیہ کی تحصیل میں مشغول ہوئے یہاں تک کہ درجہ کمال کو پہنچے۔ (مسود)

خواجہ محمود انچر نقشبندی کے ارشد خلفاء میں سے ہیں، جب خواجہ محمود کی وفات کا وقت آیا تو اپنی جائیداد کیلئے حضرت عزیزان ہی کو منتخب فرمایا، اور اپنے تمام خلفاء اور مریدین کو آپ کے سپرد فرمایا، رشتہات میں ہے کہ آپ کے مقامات بہت بلند اور آپ کی بکثرت کرامات کا صدور ہوا ہے۔

آپ خواجہ بزرگ حضرت شیخ بہار الدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ کے پردادا پیر تھے، خواجہ بزرگ حضرت سید امیر کلال کے اور وہ حضرت بابا محمد سماسی کے اور وہ حضرت عزیزان کے خلیفہ تھے۔

دنیا میں جتنے نقشبندی سلسلہ کے بزرگ ہوئے ہیں اور آج بھی جو حضرات اس سلسلہ میں داخل ہیں وہ سب اس فقیر بافندہ کی غلامی کو اپنا سرمایہ افتخار سمجھتے ہیں اور ان کی جوتیوں کے تسمے کو اپنا تمغائے شرافت جانتے ہیں۔

خواجہ نقشبند، مولانا یعقوب چرخ، خواجہ آحرار، خواجہ علاء الدین عطار، سید شریف جبر جانی، مولانا نور الدین جامی، خواجہ باقی باللہ، حضرت مجدد الف ثانی اور ان کے خلفاء حضرت مرزا مظہر جان جاناں، شاہ ولی اللہ، شاہ غلام علی، مولانا خالد، قاضی ثناء اللہ بانی پتی حضرت سید احمد بریلوی، وغیرہم سب حضرات اس فقیر بافندہ کے سلسلہ ارادت میں داخل اور اس نسبت پر نازاں اور مفتخر ہیں۔

مولانا کا شفقی رشتہات میں اور مولانا جامی نفحات ص ۳۳ میں لکھتے ہیں کہ "بصنعت بافندگی مشغول بودہ اند" یعنی حضرت عزیزان کپڑا بننے کا کام کرتے تھے، مولانا جامی فرماتے ہیں کہ بعض اکابر سے میں نے سنا ہے کہ مولانا جلال الدین رومی نے اپنے اس شعر میں حضرت عزیزان ہی کی طرف اشارہ کیا ہے

گر نہ علم حال فوق قال بودے کے شدے : بندہ اعیان بخارا خواجہ نساج ما ترجمہ : اگر علم حال علم قال سے بلند نہ ہوتا تو بخارا کے تمام اعیان و اشرف خواجہ نساج (بافندہ) کے غلام کیسے بن جاتے،

خطائے اشرفی ص ۳۸ میں ہے "صاحب مقامات علیہ و علامات متعالیہ است، بصنعت

علیہ بلند مقامات و علامات کے حامل تھے، پاکیزگی رزق کے طور پر بافندگی کیا کرتے تھے۔ (مسعود)

بافندگی از جہت پاکیزگی قوت اشتغال داشتند۔

اس کے بعد حضرت رومی کا شعر مضمون حضرت جامی نقل کیا ہے :-

رشتات و مواہب سرمد یہ میں ہے کہ جب اشارہ غیبی کے بموجب حضرت عزیزان نے بخارا سے خوارزم کا قصد فرمایا تو شہر کے دروازہ پر پہونچکر بادشاہ خوارزم کے پاس پیغام بھجوایا کہ ایک فقیر بافندہ تمہارے شہر کے دروازہ پر آیا ہے اور یہاں مقیم ہونا چاہتا ہے، اگر تمہاری مصلحت ہو تو ٹھہرے ورنہ واپس جائے، اور جو درویش پیغام لے گئے تھے ان کو تاکید کر دی تھی کہ اگر بادشاہ رہنے کی اجازت دے تو ایک فرمان کھوالینا، درویش پیغام لیکر گئے بادشاہ نے اجازت دی، جب فرمان لکھنے کو کہا تو بادشاہ اور ارکان دولت نے مضحکہ اڑایا کہ یہ بڑے نادان اور سادہ لوح لوگ ہیں۔

بہر حال مذاق کے طور پر ایک فرمان لکھ کر دیدیا، جب حضرت عزیزان کو فرمان مل گیا تو شہر میں تشریف لائے، اور ایک گوشہ میں بیٹھ گئے، چند دنوں کے بعد خلافت کا اتمام حرم ہو گیا، بادشاہ کو اندیشہ پیدا ہوا کہ ان کی وجہ سے حکومت میں کوئی خلل نہ پیدا ہو جائے، اسلئے بادشاہ اس ارادہ سے حضرت کی خدمت میں آیا کہ ان کو یہاں سے نکل جانے کا حکم دے حضرت نے اس وقت وہی فرمان نکال کر اس کے سامنے رکھ دیا اور فرمایا کہ ہم تمہارے شہر میں تمہاری اجازت سے مقیم ہوئے تھے، اب اگر تم اپنے فرمان سے پھرتے ہو تو ہم کو یہاں سے نکل جانے میں عذر نہیں ہے، اس وقت بادشاہ اور ارکان دولت نہایت شرمندہ ہوئے، اور حضرت کے عقیدہ مندوں میں داخل ہو گئے۔

رشتات میں ہے کہ کسی نے حضرت عزیزان سے ایمان کی حقیقت دریافت کی، اپنے اپنے پیشہ کی مناسبت سے فرمایا کہ توڑنا اور جوڑنا۔

قاضی ثناء اللہ ربانی پتی نے مالا بد مہ ۱۲۵۱ھ میں حضرت عزیزان کی یہ رباعی نقل فرمائی ہے۔
 باہر کہ نشستی و نشد جمع دلت وز تو نہ رمید ز رحمت آب بگلت
 ز بہار و صحبتش گریزاں می باش ورنہ نکست روح عزیزاں بگلت

ع۔ تو ہر شخص کے پاس بیٹھا اور تجھ و تجھ کی دولت حاصل ہوئی، تو حسن ظن برقرار رکھ ورنہ تو بزرگوں کی اصلاح سے اکتساب یقین نہ کر سکے گا۔ (مسود)

حضرت عزیزان نے ایک سو تیس برس کی عمر پائی، دو شنبہ ۱۸ ر ذی القعدہ ۱۵۷۱ھ یا ۱۵۷۲ھ میں اپنے محلّت فرمائی، اور خوارزم میں مدفون ہوئے۔

حضرت کے دو صاحبزادے خواجہ خورد، اور خواجہ ابراہیم تھے، دونوں عالم عامل اور عازف کامل تھے، دونوں صاحبوں کے حالات ہم اوپر لکھ چکے ہیں۔

شاہ عثمان شہید

گم گشتہ حالات اجودھیا ص ۱۵ میں ہے کہ شہر اجودھیا محلہ کمال الدین اولیاں غوثی نوربا کے مکان کے پاس شاہ عثمان شہید کی قبر ہے، جو کہ نوربا فوں کی اولاد میں سے تھے، ایک ان بزرگ کا، ۲۷ رجب کو عرس کرتے ہیں، نہایت برکت اور مدد دہندہ والوں کو پہنچتا ہے۔

حافظ عبداللہ غازی پوری بن شیخ عبدالرحیم

جائے ولادت مؤرخ اعظم گدھ، سن ولادت ۱۲۶۲ھ، والدین نادار تھے اس لئے محنت مزدوری کے ساتھ تحصیل علم میں بھی مصروف تھے، ۱۲ برس میں حافظہ سے فارغ ہو گئے، فارسی اور ابتدائی عربی مولوی محمد قائم مؤوی سے پڑھیں، ۱۵۵۷ھ کے ہنگامہ میں مسکو کو خیرباد کہہ کر غازی پور میں پناہ لی، جب ہنگامہ فرو ہو تو چترہ رحمت میں مولوی رحمت اللہ فرنگی محلی سے بقیہ درسیات پڑھیں، اس کے بعد مدرسہ امام بخش (جو پور) میں مولوی محمد یوسف فرنگی محلی کے پاس جملہ علوم رسم سے فراغت حاصل کی، مولوی صاحب آپ کی ذہانت سے بہت خوش رہتے تھے، آخر میں میانصاحب سید نذیر حسین سے حدیث پڑھی، میانصاحب فرماتے تھے کہ ”میرے درس میں دو عبداللہ آئے، ایک عبداللہ غزنوی، دوسرے عبداللہ غازی پوری“ (تذکرہ علمائے حدیث)

میں نے بعض علماء کی زبانی سنا ہے کہ حافظ صاحب نے مولانا فاروق صاحب چریاکوٹی سے بھی پڑھا ہے، اور جن علماء کو حافظ صاحب سے شرف تلمذ حاصل ہوا ہے ان میں مولانا شبلی نعمانی بھی ہیں۔ حافظ صاحب ایک زمانہ تک حنفی مذہب پر عامل تھے، پھر اچھڑت ہو گئے، شاگردوں میں مولوی سعید بنارسی، مولوی عبد النور مظفر پوری، شاہ اسماعیل الحق پھلواری، مولوی علی نعمت پھلواری، مولوی عبدالرحمن مبارک پوری

مولوی عبدالسلام مبارکپوری، مولوی محمد علی ابوالکلام مسوی، مولوی عبدالرحمن بقاغانہ پوری، شاہ
 وارث حسن کورہ جہان آبادی، مولوی ابوبکر جونپوری، سید داؤد غزنوی، مولوی علی حسن قندلانی
 ممتاز پھل شہری وغیرہم قابل ذکر ہیں۔

لکھنؤ کے ایک سین رسیدہ مولوی صاحب ذکر کرتے تھے کہ ایک بار مولانا عبدالحمی لکھنوی
 کسی ضرورت سے غازی پور آئے، نماز کے لئے اسی مسجد میں گئے جہاں حافظ صاحب درس دیتے
 تھے، نماز کے بعد مولانا نے درس سنا، مگر حافظ صاحب حجرہ میں پڑھا رہے تھے ان کو خبر نہ تھی،
 فراغ کے بعد ملاقات ہوئی تو حافظ صاحب نے کہا کہ مجھے خبر نہ ہوئی کہ آپ مسجد میں ہیں ورنہ آپ کی
 موجودگی میں درس نہ دیتا، مولانا نے فرمایا کہ میں نے آپ کا درس سنا، بہت خوب پڑھا رہے تھے۔
 حافظ صاحب کی تصنیفات میں رکعات التراويح، تسہیل الفرائض، منطق، ابراہام
 کاین نے مطالعہ کیا ہے، اس کے علاوہ فصول احمدی (صرف میں) انہو، مقدمہ صحیح مسلم کا نام بھی
 آپ کی تصنیفات میں آیا جاتا ہے۔

خان بہادر ڈاکٹر عبدالرحیم آپ کے داماد تھے، حافظ صاحب کی کوئی نرینہ اولاد نہ تھی،
 ۱۳۳۷ھ میں بمقام لکھنؤ وفات ہوئی، مولوی ثناء اللہ امرتسری نے آپ کی وفات پر اخصبار
 اہل حدیث میں لکھا کہ، آہ عبداللہ! میری آنکھوں نے تیرے جیسا کامل عالم نہیں دیکھا، سننے میں
 تو بہت آئے، ع

شہیدہ کے بوجہ مانسہرہ دیدہ

۱۵ تذکرہ علماے حال میں ہے کہ کتب مختصرہ اپنے والد اور مولوی عبدالقادر غازی پوری اور حکیم مفید علی جانی اور مولوی فاروق چریا
 اور مولوی رحمت اللہ لکھنوی سے اور کتب مطولہ مفتی محمد یوسف اور مولوی نعمت اللہ لکھنوی سے پڑھیں، اور ۱۳۹۷ھ میں
 حج کو گئے، توبہ معریاس بن عبد الرحمن بن محمد بن حسین بن القاسم یثربی شہابی سے جو قاضی شوکانی کے شاگرد تھے وراثت کی
 سند لے، غازی پور ڈیا تو ان، اور آدرہ میں درس دیا۔

خاتم سلیمانی نے ص ۱۱ میں مولانا شاہ سیوان پھلواڑی کے متعلق لکھا ہے کہ، حضرت نے کچھ اسباق جناب مولانا
 محمد فاروق حیدر یا کوٹ اور جناب مولانا حافظ عبداللہ غازی پور سے اور جناب مولانا حسین الدیر سے راجب
 ساکن کڑا (روپڑ) سے پڑھے، یہ۔

مولوی عبدالرحمن مبارک پوری

دالہ کا نام مولوی حافظ عبدالرحیم ہے، جو قاضی شیخ محمد نجلی شہری کے شاگرد تھے، مولوی عبدالرحمن صاحب نے ابتدائی کتابیں مولوی خدابخش اعظم گڑھی وغیرہ سے پڑھیں پھر مولانا فیض اللہ مٹوی وغیرہ کے سامنے زانوئے ادب تہہ کیا، حافظ عبداللہ صاحب سے ادب، معانی، ہیئت، تفسیر، حدیث، فقہ، اور معقولات کی تحصیل کی، میا نصاب اور شیخ حسین عربی بھی حدیث پڑھی، قاضی شیخ محمد مذکور سے بھی مسلسل بالاولیت اور بلوغ المرام وغیرہ کی سند لی۔ ان کی زندگی کا قابل ذکر کارنامہ ترمذی کی وہ شرح ہے جو تحفۃ الاحوذی کے نام سے چار جلدوں میں شائع ہو چکی ہے، اس کا ایک مقدمہ بھی طبع ہو چکا ہے، اس کے علاوہ ابکار المؤمن، کتاب الجنائز خیر الماعون، وغیرہ بھی آپ کی تصنیفات میں ہیں۔

عون المعبود (شرح سنن ابی داؤد) کی تالیف میں بھی آپ شریک تھے، مولوی محسود پورہ معروف، مولوی الہی بخش مبارک پوری مرحوم، اور مولوی عبدالرحمن مٹوی وغیرہم آپ کے تلامذہ میں ہیں اور شیخ تقی الدین دہلوی مراکشی نے جو اس وقت بغداد میں ہیں ان سے حدیث کی سند لی ہے دہلوی صاحب بغداد کے بعد مدینہ منورہ منتقل ہو گئے اور جامعہ اسلامیہ میں درس دینے لگے، آنکھوں سے معذور ہو گئے تھے اسی زمانہ میں ان کو میں نے مدینہ منورہ میں دیکھا تھا، ۱۳۵۳ھ میں اپنے وطن میں وفات پائی۔

ملا عبدالرحیم گورکھپوری

علامہ شاہ عبدالعزیز دہلوی کے شاگرد، ادیب کامل اور متبحر عالم تھے، جب کلکتہ پہنچے تو انگریزی سیکھنا شروع کیا، تھوڑے ہی دنوں میں اتنی استعداد پیدا کر لی کہ بہت تمام انگریزی سے عربی اور فارسی میں ترجمہ کر لیتے تھے، بہت کتابیں اور رسالے تصنیف کئے شہزادہ غلام محسن سلطان ٹیپو شہید کی فرمائش پر ایک کتاب کا نام حیدری لکھی جو ۱۸۴۸ء میں کلکتہ میں طبع ہوئی، محبوب الالباب کا مصنف لکھتا ہے کہ حیدر شاہ ٹیپو کے احوال میں کوئی تاریخ اس سے بہتر عالم وجود میں نہیں آئی، اس کے علاوہ ہندوستان کی تاریخ وغیرہ انکی تصنیفات

سے ہیں، محبوب الالباب (فہرست کتب خانہ بانکی پور) ۱۲۱۲ھ میں لکھی گئی ہے، اس وقت ملا کی وفات کو تیس برس سے زائد ہو چکے تھے، جس کا مطلب یہ ہوا کہ ملا کی وفات ۱۲۸۹ھ کے بعد ہوئی ہے، کہا جاتا ہے کہ ملا کے خیالات ملحدانہ تھے، ملا صاحب کے جاننے والے اور ان کے اقربا گورکھ پور میں اب بھی موجود ہیں، بائسنہ برادری کے علمی حیثیت سے مایہ ناز فرزند تھے۔

عزالدین عبدالعزیز قاہری

عبدالعزیز بن عبدالرحمن بن ابوبکر قاہری حنفی، زین الدین قاسم سے علم حاصل کیا اور علم میں ابوالسادات بلقینی اور صلاح کمینی سے بھی اپنا انتساب بیان کرتے تھے، سخاوی فرماتے ہیں کہ وہ اپنے پیشہ کی بنا پر حیاک (بافندہ) مشہور تھے، رمضان ۱۲۴۵ھ میں انتقال کیا (مضوع لایع ص ۲۱۹)۔

عزالدین بن شمس الدین بن الکویک

ان کا نام عبدالعزیز باپ کا نام محمد بن عبدالرحمن بن محمد بن علی بن احمد باپ شمس الدین بن الکویک کے لقب سے مشہور تھے، تقریباً ۸۳۰ھ میں پیدا ہوئے، قاہرہ میں نشوونما پائی، قرآن پاک وغیرہ یاد کیا، علامہ سخاوی کے رفیق درس تھے، اس کے بعد بافندگی میں مشغول ہو گئے، پھر اس کو ترک کر کے توفیق کی خدمت انجام دی، شعر بھی کہتے تھے (مضوع لایع ص ۲۲۸)۔
ان کے باپ شمس الدین بن الکویک اور ان کے دادا پر دادا ربیع فضل وقت اور محمدین میں شمار ہے۔

عبدالقادر بن علی حباک

(مسجد حرام (مکہ) کے مؤذن تھے، اور مدسہ سلطانیہ کے صفحہ کے قاریوں میں تھے بلکہ مجامع میں قراؤ کی صدارت کیلئے بھی مقرر تھے، (مضوع لایع، ص ۲۸۱)۔

مضوع لایع کے مطبوعہ نسخہ میں حباک کے ساتھ ہے، اگر یہ کوئی مولد لفظ نہیں ہے تو اذروئے لغت حباک کے معنی عمدہ ٹھوس کپڑے بننے والے کے ہیں، یہ بھی ممکن ہے کہ اصل لفظ حیاک رہا ہو، جس کے معنی بافندہ کے ہیں، مطبع والوں کی غفلت یا اصل نسخہ کی غلطی کی وجہ سے حباک چھپ گیا ہو،

عبدالمحسن بطائی بغدادی ادیب

ان کا شمار ادباء میں ہے، حافظ ابن حجر نے ان کے اشعار سے ہیں، ان کا بیان ہے کہ وہ مولیٰ (شعر کی ایک قسم، بہت خوب کہتے تھے، ان کی ولادت تقریباً ۷۳۵ھ میں ہوئی، بغداد کے اصل باشندہ ہیں مگر قاہرہ میں آکر مقیم ہو گئے تھے، اخیر عمر تک پارچہ بانی اور سخن سنجی میں مشغول رہے، ۸۲۵ھ میں انتقال کیا، مقریزی نے بھی ان کا ذکر کیا ہے۔ (منو لا مع ص ۵۷)

عبدالمعظم محلی ادیب

عبدالمعظم بن عبدالمولیٰ بن عبدالقادر بن عبداللہ بغدادی ثم محلی المعروف بالادیب ۲۳۲ ھ مجرم ۲۳۵ ھ کو بغداد میں پیدا ہوئے، ادہیں قرآن پڑھا، گیارہ حج کئے، بیت المقدس کی بار بار زیارت کی، مخامیں مقیم ہوئے اور باندگی کو ذریعہ کرب قرار دیا، شعر گوئی اختیار کی اور مسرودوں سے گوئے سبقت لے گئے، علامہ ابن ذہر اور علامہ بقاعی نے ان کے اشعار سکر لکھے، از انجملہ یہ اشعار ہیں سے

| | |
|--------------------------|---------------------------|
| اصححت سلاطین الہوی جائزہ | من جورہم ہا اذ معی جارید |
| فی حب خود تیمتنی تخال | فی خد ہا الوردی یا غم خال |
| نظر تھا تھنز من فوق خال | ہمت و قلت مثلہا ماتخال |

(منو لا مع ص ۵۷)

علی بن حسین معروف بابن زکنون

علاء الدین علی بن حسین بن عروہ الجاحسن مشرقی ثم الدمشقی حبلی معروف بابن زکنون، ۷۶۱ ھ سے قبل پیدا ہوئے، قرآن پاک یاد کیا اور فقہ سیکھا، اور اس میں بڑے فائق ہوئے، پھر بہت سے

۱۰ نفس برست حکمراں ظالم ہو گئے، ان کے ظلم پر مری آنکھوں سے آنسو بہہ رہے ہیں۔ (مسود)

۱۱ ایک نازک ادا حسینہ نے مجھے اپنا گردیدہ بنالیا۔ اس کے گلابی رخسار پر ایک تل ہے۔ میں نے اس کو ادا مے ناز سے اٹھلاتے ہوئے دیکھا تو اس پر فریفتہ ہو گیا اور کہا کہ وہ لاثانی اور گمان سے باہر ہے۔ (مسود)

مشاہیر مشائخ حاشیہ سے سماع حدیث کیا، ان سب سے فارغ ہو کر دمشق سے باہر مسجد
 قدم میں لڑکوں کو حسبہ لٹا دیا گئے اور تصنیف و تالیف میں مصروف ہو گئے، مسند احمد کو
 صحیح بخاری کی ترتیب پر مرتب کیا، یہ جتنا بڑا اہم علمی کام ہے اس کو علمائے اعلام ہی سمجھ سکتے
 ہیں۔ اس کا نام انھوں نے الکواکب الدلاری رکھا پھر اس کی ایک سو تیس جلدیں شرح لکھی
 اسی طرح اپنی ساری زندگی نہایت زہد و تقویٰ میں بسر کی، یہاں تک کہ ان اوصاف کے لحاظ
 سے مورخین نے ان کو بے نظیر قرار دیا ہے، خود اپنے ہاتھ سے عباد (پشیمینہ) بنتے تھے اور اس
 جو آمدنی ہوتی تھی اسی پر اوقات بسر کرتے تھے، بڑے بڑے فضلاء نے ان سے سماع حدیث
 کیا، اور ان کی شرح مسند احمد و مشق کی شاہی جامع مسجد (جامع اموی) میں ہر جمعہ کو بعد نماز
 پڑھوا کر سنی جاتی تھی، حافظ ابن حجر نے ان کے عبادت و زہد و غیرہ کی بڑی مدح سرائی کی ہے
 جمادی الثانیہ ۸۳۷ھ میں وفات پائی، ان کے جنازہ میں بڑا بھاری مجمع ہوا، اور ان کی نعش
 کو سروں پر اٹھایا گیا، ان کی موت کا لوگوں کو عید صدمہ ہوا، ان کے باب میں بحالت زندگی
 اور بعد موت بہت اچھے اچھے خواب دیکھے گئے، مقریزی نے بھی ان کا ذکر کیا ہے (ضوء لا یخفى ۲/۱۵۵)
 الکواکب الدلاری کی صرف ایک ضخیم جلد کتاب الزکوٰۃ سے کتاب الحج کے آخر تک رام پور
 کے کتب خانہ میں موجود ہے، جو ان کے داماد ابراہیم بن محمد کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے
 اور اس کی قدر و قیمت کا اندازہ مطالعہ ہی سے ہو سکتا ہے۔

علی بن حسین فارسکوری

علی بن حسین بن مکی بن جدی فارسکوری، بافندہ فارسکوری، عامی آدمی تھے، مگر مولایا
 د عربی نظم کی ایک قسم، بہت عمدہ نظم کرتے تھے، حافظ سخاوی نے ان کے بہت سے مولایا
 لکھے ہیں، ان کی ولادت تقریباً ۸۲۸ھ میں ہوئی (ضوء لا یخفى ص ۲۱۶)

علی بن علی فارسکوری معروف بابن المزیّن

دادا کا نام عبدالرحمن ہے، نسبہ کے کچھ بعد پیدا ہوئے، اور عامی ہونیکے باوجود شاعری کی طرف

توجہ کی، اور اچھا خاصا ملکہ پیدا کر لیا، فار سکور میں بافندگی کرتے تھے،
حافظ سخاوی نے ان کے بہت سے اشعار ان سے پڑھوا کر سنے اور لکھے ہیں، از انجملہ حلیمہ نامی کسی
عورت کے باب میں ان کے یہ دو شعر نقل کئے ہیں۔

اول لظبیۃ ملکت فوادی طوال الدھر دھی بہ مقیمۃ
قلت الصب بالہجوان قالت القتل بالجفا وانا حلیمۃ
(ضوال مع ص ۲۵۸)

علی بن محمد ششمی فار سکوری

تقریباً ۱۲۷۰ء میں بمقام شہوم (مصر) پیدا ہوئے، پھر کسی وقت فار سکور چلے گئے، اور وہیں قرآن
پاک پڑھا، بافندگی کا پیشہ اختیار کیا۔ نہایت پرگو شاعر تھے، اور بہت دیندار، تلاوت اور روزہ
کی بہت کثرت رکھتے تھے، لوگوں سے انکے تھلگ رہتے تھے، شادی نہیں کی، قاہرہ، دمیاط اور
محلہ میں آمدورفت رکھتے تھے، ابن فہد وبقاعی نے ۳۲۸ھ میں ان سے ملکر انکے یہ اشعار لکھے۔

اذا سمعت بوصلم اللیالی فلا خوف علی و فی ابالی
ولو ان الحشا والقلب یصلی بنار الہجر لیس القلب سالی
نصیب القوم نازدا بالقلی انا الماسور فی سجن اعتقالی
ایالیلی فخلی الطیف لکیلا یزوس الصب فی حنجہ اللیالی

۱۔ میں نے ایک حسینہ سے جو زندگی بھر کیلئے میرے دلکی مالک ہو گئی، کہا تو نے فراق میں عاشق کو مار ڈالا۔
تو اس نے کہا، تو ستم سے مر رہا ہے جبکہ میں صبر کر رہی ہوں، (مسعود)
۲۔ اگر راتوں میں تیرا دل نصیب ہو جایا کرے تو مجھے کچھ پردا اور خوف نہیں۔ (مسعود)
۳۔ اگر دل فراق کی آگ میں جلتا رہے تو اس کو تسلی نہیں حاصل ہو سکتی۔ (مسعود)
۴۔ لوگ اپنے مجربوں سے ملاقات میں کامیاب ہو گئے اور میں جیل کی کوٹھڑی میں مقید ہوں۔ (مسعود)
۵۔ تو اے یسائی! خوابوں کو چھوڑ دیا کہ مات کی تاریکی میں تیرے عاشق کی زیارت کرے۔ (مسعود)

عمر بن ابی بکر دمشقی المعروف بابن عثمان

زین الدین عمر بن ابی بکر بن محمد بن عثمان صبی الاصل، دمشقی شافعی صوف نزیل مکہ، تقریباً ۸۵۰ھ سے مکہ میں سکونت اختیار کر لی، پشیمینہ بانی ذریعہ معاش تھا، ان کی نیک سیرت کی حافظہ سخاوی نے بہت تعریف کی ہے، سخاوی کا بیان ہے کہ انھوں نے مجھ سے صحیح بخاری سنی ہے، ان کے باپ دمشق میں امام عیدین اور بڑے صالح عالم شہاب بن الفراء کے رفیق درس تھے، وہ پہلے ریشمی کپڑا پہنتے تھے، اور بھی کسی کارگیروں سے بنواتے تھے مگر شیخ تقی الدین حصنی کے مشورہ سے پشیمینہ بننے لگے، (منوہ لامع ص ۳۶)

زین الدین کے لڑکے ابوبکر بن عمر بن ابی بکر بن محمد بن عثمان حلبی الاصل دمشقی المولد شافعی المذہب نزیل مکہ تقی الدین لقب اپنے والدین کے ساتھ بحالت شیر خوارگی مکہ آئے اور وہیں مقیم ہوئے۔ قرآن پاک پورا اور مہاج کا اکثر حصہ حفظ کیا، حافظہ سخاوی کے پاس صحیحین کی قراءت اور احکام کی، ان کے علاوہ شفا اور اذکار کی قراءت اور سماعت انھیں کے پاس کی، حافظہ سخاوی فرماتے ہیں وہ بہت سنجیدہ لڑکا ہے، ۹۴ھ میں اس کے جدا ہوا، (منوہ ص ۳۶) ان کے باپ اور دادا پشیمینہ بانی کرتے تھے، جیسا کہ ان کے حال میں مذکور ہوا۔

عمر بن محمد حمصی شافعی

دمشق کے فضلاء میں ان کا شمار ہے، ۱۰۰۰ھ (فقہ شافعی) کا اکثر حصہ اذہر تھا، بہت دین دار و صاحب خیر تھے، سخاوی نے لکھا ہے: و تکتسبہ من اموال حریریہ و لبھا (منوہ لامع ص ۳۶)

عمر بن حسین زفناوی

سراج الدین عمر بن حسین بن علی بن شرف بن خطاب بن سعید زفناوی ثم القاہری المعروف بتلیانی، بڑے بزرگ شخص تھے، لوگوں کو ان سے بہت اعتقاد تھا، ابن کثیر عمری اور مدین سے صحبت رہی، قاہرہ میں قماش ازرق کے کارخانہ میں کام کرتے تھے، سخاوی لکھتے ہیں نقانی

الدولاب فی القماش الاذرق، عشرہ میں وفات پائی (منو لایع ص ۲۳۰)
ان کے بیٹے احمد بن عمر اور عبدالقادر بن عمر بھی فضلاء میں ہیں، (منوع)

شیخ عمر وفائی حاکم

آٹھویں صدی کے اواخر اور نویں کے اوائل میں مسند ارشاد پر متمکن تھے، نہایت باکمال
باخدا درویش تھے، اکابر وقت نے آپ کی صحبت سے فائدہ اٹھایا، ازاں جملہ ابو عبد اللہ
محمد بن عمر غمری ہیں، (دیکھو منو لایع ص ۲۳۱) شوکانی نے بھی ضمتاً آپ کا ذکر کیا ہے، بدرطالع
ص ۲۳۲ میں شوکانی نے ابو عبد اللہ غمری مذکور کے حال میں لکھا ہے ”وصحب غیر واحد من
مشایخ الصوفیہ کا شیخ عمر الوفائی الحاکم“ یعنی غمری متعدد مشایخ صوفیہ کی صحبت میں
رہے جیسے عمر وفائی حاکم وغیرہ کی۔

عطا اذرق نساج

صاحب روایت و حدیث اور مشہور عابد و زاہد تھے، ان سے جعفر بن سلیمان اور محمد
بن الحسین نے روایت کی ہے، (الجرح والتعديل لابن ابی حاتم ص ۲۳۱)

شیخ عبد الودود

نجم الدین غمری نے ان کو شیخ صالح، عابد زاہد کے الفاظ سے یاد کیا ہے، اور لکھا ہے کہ
قاہرہ میں بنوا ج قلعہ الجبل مقیم تھے، اونی کپڑا بنتے تھے، اسی سے قوت حاصل کرتے تھے، سیدی
محمد بن عثمان ان کی زیارت کیلئے مجایا کرتے تھے، صاحب مکاشفات تھے، اور ان سے انس
عظیم تھا، ۹۱۵ھ میں وفات پائی، (دکائب السائرہ ص ۲۵۱) (شذرات ص ۱۸)

سہ الترقی ص ۳۹

سہ شذرات کا لفظ و علیہ انس عظیم ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ انہیں بڑی کشش اور مانوسیت تھی،

قاضی عثمان حموی

قزالدین قاضی عثمان بن یوسف حموی دمشق شافعی محدث ہیں پیدا ہوئے، ملازم مغل مہشی کے پاس
 مادی منیگر کو مل گیا، پہلے کپڑا بننے لگے، اس کے بعد بادشاہی میں دربان ہو گئے، پھر قاضی القضاۃ بن الدین
 بن عبدحنفی کی خدمت میں شہادت کا کام کرنے لگے، اور اس کے بعد قاضی شہاب الدین بن الفرقد نے
 نیابت الحکم کا کام ان کے سپرد کر دیا، شافعی میں وفات پائی (ذکاء السائرہ ص ۲۶۶)

فقیہ مقرئ عبد الکریم بن اسمعیل

مدینہ جبار دیمین کے قریب قریہ جی (بفتح وادو کرجم) کے باشندہ تھے، ساتوں قرأتوں کے عالم
 تھے، اس فن کو حدار سے حاصل کیا تھا، اپنے وقت کے نیکو کار بزرگوں میں سے تھے، ان کے پاس جو شخص
 بڑا متانفع پاتا تھا، اور ان کے پاس جو تحقیق کرتا پھر بھوتا نہیں تھا، ابتدا میں نساج تھے پڑے بنے
 تھے، طلبائے قرأت ان کے پاس قرآن پڑھتے رہتے اور وہ اپنے کام میں مشغول رہتے تھے، مگر
 ممکن نہیں تھا کہ طلبہ کی کسی غلطی پر ان کو تنبہ نہ ہوا بعد میں نساجی چھوڑ کر خیاطی کرنے لگے تھے، اپنے ہاتھ
 کی کمائی ہی ان کا ذریعہ معاش رہی، کوئی منعیہ آجاتا تو اس کو ناکام واپس نہ کرتے تھے، خزرجی نے
 ان کو الفقیہ الصالح المقوی کے الفاظ سے یاد کیا ہے، شافعی میں وفات پائی (العقد اللؤلؤ ص ۲۲۲)

علی بن عمر ابو الہول نساج

ابو الحسن علی بن عمر بن عبد الرحیم بن بدہ اصلاً جزری پھر صالحی تھے، شافعی کے بعد پیدا ہوئے اور تقی
 سلیمان وغیرہ سے بہت ساری حدیثوں کی سماعت کی، اور پھر درس حدیث دیا، روایت حدیث میں
 کشادہ دل تھے، بہت حدیثیں سنائیں، ان سے سکری ابن العجمی اور ابن حجاج وغیرہ بہتوں نے حدیث
 سنی، ربیع الاول ۳۵۷ھ میں نوے برس کی عمر میں وفات پائی (ذخائر الذهب ص ۲۶۶)
 ابن حجر نے ان کا ذکر الدرر الکامنه میں کیا ہے اور ان کے مسموعات اور شیوخ حدیث کو کچھ قبل
 سے لکھا ہے اور کہا ہے کہ ان میں خیر اور محدثین کی محبت تھی (درر ص ۴۸۸)

علی بن النخباز

شیخ فصیح نور الدین علی بن خباز بغدادی مائتکی اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے، متحابر عمر کے قریب سوئی کپڑے بناتے تھے، اور ہر جمعہ کو ان کے یہاں ذاکرین کی ایک جماعت حاضر ہوتی تھی، اور سب مل کر بلند آواز سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے مزار کے پاس جامع اموی (دمشق) میں ذکر کرتے تھے، سلسلہ میں انتقال ہوا (کواکب السائرہ ص ۲۳۲)

عبداللہ بن علی ماحوزی

علی ماحوزی (ولی کامل) کے فرزند ہیں، جمال الدین لقب، ۸۲۲ھ کے بعد دمشق میں تولد ہوئے، وہیں نشوونما پائی، قرآن کریم یاد کیا، اس کے بعد تحصیل علم میں مشغول ہو کر درجہ کمال کو پہنچے، سخاوی کا بیان ہے کہ ان کے دادا کا نام یوسف تھا، مگر ان کو بڑا ابتلا پیش آیا اس لئے ان کا لقب ابو۔۔۔ پڑ گیا، عبداللہ مشہور عالم تھے، سخاوی نے لکھا ہے "لغمد الرجل کان بہت خوب آدمی تھے، ۶۸۰ھ میں وفات پائی (مضمر لایع)

علامہ سخاوی نے پانچ سطروں میں ان کے فضل و کمال، فصاحت و بلاغت، عفت و قناعت ریاست و ثقاہت، خوش پوشی و تجمل، ظرافت و حسن صحبت وغیرہ کی تعریف کر نیکیے بعد لکھا ہے کہ مجموعی طور پر ان اوصاف کا جامع انسان آنکھوں نے کم دیکھا ہوگا، وہ صاحب تصانیف بھی تھے ان کی بعض کتابوں پر شیخ ابن الہمام نے تقریب بھی لکھی ہے، ان کے باپ علی ماحوزی باندہ بزرگ تھے۔

شیخ عبدالرزاق طائی

آپ کی زاد بوم پٹن ہے، نور بات تھے، زہد و تقویٰ کا خلعت زیب بدن تھا، ناگاہ الہی جذبہ پیدا ہوا اور ایک بار گئی خود داری جاتی رہی جو لباس بدن پر تھا پارہ پارہ کر دیا، اس کے بعد لوگ آپ کا سر عورت سوائے کفن کے نہ کر سکے، سبھی سنہ کچھ اوپر ہزار میں آپ کی عمر کا زمانہ انجام کو پہنچ گیا، خواہ گاہ بھی پٹن ہی ہے (گلزار ابرار ص ۲۵۱)

علی بن ایوب ماحوزی

سخاوی نے انکی نسبت لکھا کہ الامام الربانی المجمع علی ولایتہ یعنی وہ امام ربانی جنکی ولایت پر اجماع ہے۔

دمشق میں قبر عاتکہ کے پاس سکونت تھی، خود اپنے ہاتھ سے کپڑا بناتے تھے، اور اس کو بہت اونچے دام پر فروخت کرتے تھے، یہی ذریعہ معاش تھا، کسی سے کوئی نذرانہ وغیرہ قبول نہ کرتے تھے، علم سے بہرہ دانی رکھتے تھے، نہایت خوش اخلاقی و کشادہ پیشانی سے پیش آتے تھے،

ابن حجری کا قول ہے کہ ہمارے زمانہ میں جو لوگ نیکی و بزرگی میں مشارالہ ہیں ان میں سے بہتر و برتر ماحوزی ہیں، سخاوی کا بیان ہے کہ لوگ ان کے سجدہ معتقد تھے اور انکی کرامتیں اور کشف کثرت سے ذکر کرتے ہیں، سنہ ۸۰۰ میں وفات پائی (الفرد الامع) ان کے صاحبزادہ عبداللہ کا ذکر اوپر گذرا،

علی بن عبدالرحیم ارمنی

صحید مصر کے باشندے اور شرقیہ وغیرہ کے قاضی تھے، کمال الدین لقب تھا، حافظ تقی الدین ابن دینق العید کے معاصر تھے، حافظ ابن حجر نے لکھا کہ کان ابوہ حیاً کما بقوص یعنی ان کے باپ قصبہ قوص میں جولائی کا کام کرتے تھے، سنہ ۶۰۰ میں وفات پائی، اور کا منہ ص ۱۳۰،

امام علی بن محمد سلیمی

علامہ شامی نے ان کا ذکر اس طرح کیا ہے الفقیہ المحدث المفسر احد الائمة الشیخ المعمر علی بن محمد بن علی بن سلیم الشافعی الدمشقی الصالحی الشہید بالسلیمی (فقہ، محدث، مفسر، امام علی بن محمد الخ) ۱۲۰۰ھ میں آپ کی ولادت ہوئی، دمشق کے باشندہ تھے، شامی نے لکھا ہے کہ بڑے پرہیزگار تھے وکان یا کل من کسب یدہ فی حیالہ الختام، خام (سوتلی کپڑا) بناتے تھے اور اسی کی کمائی کھاتے تھے،

۱۳۰۰ھ خام سوتلی کپڑا، چھینٹ (لغات جدیدہ)

جب بہت معمر ہو گئے اور کام کرنے کے قابل نہ رہے تو یکسوئی کی نشا عبادت میں مصروف ہو گئے، شانی کے استاذ شیخ محمد شاکر کے شیخ الحدیث تھے، ۲۰ سالہ میں وفات پائی (عقود الائی)

مولانا عبد الوحید سنہلی

سنہل ضلع مراد آباد وطن تھا، مولانا غلام رسول امرتسری سے معقولات کی کتابیں پڑھی تھیں، نہایت جید عالم اور آجودہ کار مدرس تھے، پہلے ایک مدت تک مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں درس دیتے رہے وہاں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مصنف اوجز المسالک، مولانا اشفاق الرحمن کاندھلوی مصنف الطیب الشذی و مدرس اعلیٰ مدرسہ فتحپوری دہلی مرحوم، مولانا محمد ادریس کاندھلوی مصنف التعلیق الصبیح شرح مشکوٰۃ و صدر مدرس مدرسہ اشرفیہ لاہور پاکستان، حضرت مولانا شاہ عبد الرحمن کامل پوری سابق صدر مدرس مظاہر علوم اور مولانا عبد الرحیم لکھنوی وغیرہم نے آپ کے سامنے زانوئے تلمذ کیا، اوجز المسالک کے مقدمہ میں شیخ الحدیث نے خود اپنی شاگردی کا اعتراف کیا ہے، اس کے بعد میں تھو کے مدرس میں تعلیم دی وہاں جن لوگوں نے آپ سے استفادہ کیا ان میں مولوی ضوان الرحمن سندیلوی، مفتی اندر بھی ہیں، سب اخیر میں آپ نے دارالعلوم مئوس تعلیم دی ہے، آپ کی وفات ۱۳۵۵ھ میں بمقام سنہل ہوئی، مولانا محمد حیات سنہلی شیخ الحدیث مدرسہ حیات العلوم گویا ان کے جانشین ہیں مدرسہ حیات العلوم کی تاسیس ان کا زندہ جادید کارنامہ ہے وہ مولانا مرحوم کے بچوں کے ناموں بھی ہیں، دارالعلوم مئوس میں جو لوگ حلقہ تلمذ میں داخل ہوئے ان میں سب ممتاز مولانا قاری ریاست علی بکری آبادی مرحوم مدرس دارالعلوم تھے، قاری حماد مدرس ہو کر مئوس پھر یہیں کے ہو رہے ۱۳۹۲ھ میں وفات پائی، مئوس مدفون ہیں، نماز جنازہ میں نے پڑھائی، قاری صاحب نے مجھ سے متعدد کتابیں کھینچیں۔

مولانا حکیم عبداللہ صاحب مئوسی

آپ مولانا عبدالحکیم لکھنوی کے شاگرد رشید تھے، رسترا میں مولانا تراب علی صاحب لکھنوی صاحب بھی پڑھا تھا اسی زمانہ میں مولانا عبدالحق مہاجر بھی رسترا میں پڑھتے تھے، ۱۲۸۶ھ میں جب آپ حج کے لئے گئے تو وہاں حضرت شاہ عبد الغنی مجددی سے حدیث کی سند لی، فراغ کے بعد آپ نواگر ضلع بلیا وغیرہ میں درس دیا، آپ سے مولانا عبد الغفار عراقی مئوسی وغیرہ بکثرت علمائے استفادہ کیا آپ نے

مولانا عبدالحلیم کے رسالہ العرفان کی شرح میں رسالہ عرفان لکھا ہے جو چھپ گیا ہے اور مولانا عبدالحلیم لکھنوی نے اس کا حوالہ دیا ہے، آپ بڑے عابد و زاہد اور کم گو تھے، جامع مسجد میں وعظ بھی کہا کرتے تھے، مولانا عبدالحق مہاجر مکی سے خط و کتابت رہتی تھی، مولانا کے تین خطوط کی نقیض بخط حضرت مولانا عبد الغفار موسوی (جنکو انھوں نے اپنے استاد مولانا عبد اللہ صاحب کے پاس سے حاصل کیا تھا، میں نے دیکھی ہیں ایک خط ۱۲۹۵ھ کا دوسرا ۱۲۹۶ھ کا اور تیسرا ۱۲۹۹ھ کا ہے ان خطوط میں مولانا مہاجر نے ان کو اس طرح یاد کیا ہے جناب مستطاب مولانا مولوی حاجی محمد عبد اللہ صاحب عم فیض، بخدمت فیض رجت جناب مولانا مولوی محمد عبد اللہ صاحب سلمہ اللہ و وقاہ، فیض باب مولانا و بافضل اولانا جناب مولانا مولوی حاجی حکیم عبد اللہ صاحب، اور حضرت مولانا عبدالحق فرنگی محلی تے ۲ صفر ۱۲۹۸ھ کے ایک خط میں ان کو لکھا ہے بخدمت مکرری جناب مولوی حکیم عبد اللہ صاحب دام لطفہ۔

حضرت شاہ عبدالغنی مجددی نے جو اجازت نامہ انکو مرحمت فرمایا تھا اس میں مرقوم ہے اما بعد فقد وفد علی فی المدینۃ المنورۃ الفاضل الشیخ عبد اللہ و قل علی طرفا من ادائل صحیح البخاری و کذلک من اول جامع الحفاظ ابی عیسیٰ الترمذی۔

مولانا عبد اللہ نے ۱۲۲۱ھ میں وفات پائی مومحلہ پیارے پورہ کے مغربی جانب بارغ میں آپ کا مزار ہے، آپ کے پاس کتابوں کا ذخیرہ بہت اچھا تھا، کچھ اب بھی ہے مگر مقفل بعد کی اطلاع یہ ہے کہ کچھ کتابیں خاندان کے کسی لڑکے نے فروخت کر ڈالیں اور باقی ادھر ادھر ہو گئیں بعض بعض کتابیں میں نے مدرسہ مفتاح العلوم میں داخل کر دیں،

مولانا عبد اللہ کو حرب البحر کی اجازت مولانا سید جعفر علی نقوی (خلیفہ سید احمد بریلوی) سے حاصل تھی اور ان کو مولانا عبد القیوم بن مولانا عبدالحق بھوپالی سے اجازت تھی، اجازت نامہ مدرسہ مفتاح العلوم میں محفوظ ہے،

مولانا عبد الواحد نولی ضلع غازی پور

مولانا عبد الواحد بن منشی نصیر الدین ساکن نولی ضلع غازی پور کی نسبت تحقیق نہیں ہو سکی کہ انھوں نے کہاں تعلیم پائی، اور کب فارغ ہوئے، لیکن غالباً ۱۲۲۲ھ تک وہ بقیہ حیات تھے سنا ہے کہ کانپور کے کسی مطبع میں مکتب تھے ۱۲۰۸ھ میں انھوں نے ایک کتاب تحفۃ الانقیاد بفصائل سید الانبیاء (عربی) تصنیف کی، مسموحۃ

سہ فاضل بزرگ عبد اللہ مدینہ منورہ میں میرے پاس آئے ادھجھ سے صحیح بخاری اور جامع ترمذی کے شروع کا کچھ حصہ پڑھا۔

(مسودہ)

اور سنن دارمی وغیرہ سے فضائل کی حدیثیں مع نشان دہی ابواب جن میں وہ حدیثیں مذکور ہیں جمع کی ہیں، آیات کی نشاندہی بھی کی ہے نہایت مستند مجموعہ ہے، عربی میں اس کا حاشیہ بھی لکھا ہے اور بن السطور فارسی میں ترجمہ مگر محتبائی دہلی کا چھپا ہوا، جو نسخہ میں نے دیکھا ہے اس میں بن السطور اردو ترجمہ ہے معلوم نہیں وہ بھی مصنف کا ہے یا کسی دوسرے کا، یہ کتاب اور اس کے حواشی مولانا کے فضل و کمال اور فنون عربیت و حدیث میں ان کی مہارت پر دلالت ہیں، نولی میں ان کا کتب خانہ موجود ہے مگر کوئی پرسان حال نہیں ہے خاندان کے لوگ باہر ملازم ہیں اور انگریزی داں جن کو اس سے دل چسپی نہیں ہے،

عبدالرحمن بن معاویہ بن حداد

مصر کے قاضی اور محکمہ پولیس کے اعلیٰ حاکم بھی تھے، حدیثوں کے راوی ہیں اور ان کا ذکر رجال کی کتابوں میں ہے، ان کے والد معاویہ کو محمد بن ابی بکر نے یا ابن الیہودیہ النساہ کہہ کر خطاب کیا تھا، ان کا سال وفات ۹۵ھ ہے،

عبدالرحمن بن محمد بن اشعث

یہ اشعث بن قیس صحابی کے پوتے ہیں، بہت عالی حوصلہ اور نامور شخص ہیں، بنی امیہ کی حکومت سے جن لوگوں نے وقتاً فوقتاً ٹکرائی ہے ان میں ایک یہ بھی ہیں ان کے جھنڈے کے نیچے حضرت سعید بن جبیر اور امام شعبی جیسے اکابر اسلام نے حجاج کا مقابلہ کیا ہے، پہلے بنی امیہ کی طرف سے سجستان وغیرہ کے حاکم تھے بعد میں بصرہ وغیرہ کے خود مختار حاکم ہو گئے تھے ۸۳ھ میں دھوکے سے شہید کئے گئے، حالات و واقعات جنگ کی تفصیل کیلئے کامل ص ۹۲، کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

البيان والتبيين للجاحظ ص ۱۸۶ میں ہے کہ مسلم بن عبدالملک کے پاس ایک شخص نے کہا ما اسد خا من حائل کنت لا حتی جاء ناهل العزونی (ابھی کندہ کے باغذہ نے سستانے بھی نہ پائے تھے کہ جب تک یہ مزدنی آگیا کندہ کے حائل سے یہی عبدالرحمن بن محمد مراد ہیں جنہوں نے دولت امویہ کی چولیں ڈھیلی کر دی تھیں اور مزدنی مراد یزید بن المہلب ہے جس نے عبدالرحمن کے بعد بنی امیہ کے خلاف علم بغاوت بلند کیا اور مسلم بن عبدالملک

لہ تقریب التہذیب میں ہے قتل بعد التسعين

لہ مزمین عمان کو مزدن کہتے تھے یزید بن المہلب کے دادا وہیں کے باشندہ تھے ۱۲ھ

نے اس کا مقابلہ کر کے اس کو شکست دی اور سلسلہ میں یزید مارا گیا۔

بہر حال مسلمہ نے اس شخص کے جواب میں کہا کہ تم اس بڑے انداز میں اس شخص کا ذکر کر رہے ہو جس کے پاس قریش کی دونوں پارٹیاں (ایک خود مسلمہ جو عبد الملک کا بیٹا تھا اور دوسرا عباس جو عبد الملک کا پوتا تھا، اپنا معاملہ طے کرانے کیلئے گئی تھیں، یعنی عبد الرحمن کی وہ منزلت اور شان و شوکت تھی کہ شاہی خاندان کے افراد اپنا قصہ ان کے پاس بجاتے تھے، باقی رہا یزید تو اس نے ایک بڑی چیز کا تہیہ کیا اور غرت سے جان دی لہذا وہ بھی بہت بلند حوصلہ تھا۔

اور کامل ابن اثیر میں ہے کہ جب عمر بن موسیٰ جو عبد الرحمن بن محمد کی فوج میں تھے گرفتار ہو کر آئے ہیں اور حجاج کے سامنے پیش ہوئے ہیں تو اس نے پہلے ان کو ان الفاظ میں سزائش کی یا عبد المراءۃ ایقوم بالعبود علی راسک ابن الحاکم یعنی ابن الابحث (صفحہ ۷۹) اے جو رو کے غلام، کیا تیرے سر پر باندہ کا لوکا (ابن اشعث) ڈنڈا لیکر کھڑا رہتا ہے۔

اس کے علاوہ ان کے دادا اشعث بن قیس کے حال میں معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت علی نے بار بار ان کی حیاکت کا ذکر کیا ہے۔

شیخ عبد اللہ النعمہ موصلی

زمانہ حال کے بہت ممتاز اور نہایت جید عالم ہیں، مولوی مسعود عالم ندوی نے جب عراق وغیرہ کا سفر کیا تھا تو ان سے زیر یا موصل میں ملاقات کی تھی، اپنے سفر نامہ میں ان کا ذکر خیر کیا ہے، اور ان کی بنائی کے ذکر کے ساتھ ان کے علم و عمل کو بہت سراہا ہے۔

ہمارے زمانہ کے مشہور و معروف عراقی عالم قادر الکلام خطیب شیخ محمود صواف جواب مکہ مکرمہ میں مقیم ہیں (اور جن کو میں نے مکہ میں بار بار دیکھا ہے، شیخ عبد اللہ النعمہ کے شاگرد رشید ہیں، صواف صاحب مقدمہ دیوان الخطیب ص ۱ پر رقم طراز ہیں۔

| | |
|-------------------------------------|---|
| الامام علامۃ الموصل الاکبر المعجل | امام اکبر، علامہ موصل شیخ عبد اللہ النعمہ |
| الشیخ عبد اللہ النعمہ، ولد سنۃ ۱۲۹۰ | ۱۲۹۰ء میں پیدا ہوئے، |
| وکان والدہ يعمل فی الحیاکة والنسیج | ان کے والد کپڑے کی بنائی کا کام کرتے تھے۔ |

وَاشْتَغَلَ هُوَ مَعَهُمَا . وَكَانَتْ لَهُ هَذِهِ الصَّنَاعَةُ مَكَانَتْ كَبِيرَةً فِي الْمَوْصِلِ امْتَارَتْ بِهَا هَذِهِ الْبِلْدَةَ ، وَاشْتَهَرَتْ بِجُودَتِهَا وَاتِّقَانِهَا .

شیخ عبداللہ نے بھی اپنے والد کا ساتھ دیا اور یہی مشغلا امتیاز کیا موصول میں اس صنعت کا بڑا اونچا مقام تھا۔ اور اس شہر کو اس میں امتیاز حاصل تھا اور اس صنعت کی عمدگی، تفوق اور نیکگی میں وہ شہرہ آفاق تھا۔

محمود صواف نے ان کی دینی و علمی خدمتوں کی تھوڑی تفصیل مقدمہ دیوان الخطیب میں بیان کی ہے اور ان کے اصلاحی کارناموں کی بنا پر ان کو مجدد کے لقب سے یاد کیا ہے۔

صواف صاحب نے ان کے خطبات جمعہ کو دیوان الخطیب کے نام سے شائع کیا ہے۔

شیخ عبداللہ خامی

سرخادی نے لکھا ہے کہ قرافہ میں رہتے تھے اور وہیں بنائی کا کام کرتے تھے اس نے انکی ایک کرامت لکھی ہے، پھر لکھا ہے کہ آج تک ان کی کرامت ظاہر رہتی ہے (تحفۃ الاحباب ص ۲۳۸)

شیخ ابوالقاسم عبدالرحمن خامی

ان کا بھی سرخادی نے تحفۃ الاحباب ص ۲۳۵ میں ذکر کیا ہے۔

عبید بن محمد شاج

آپ محدث ہیں، احمد بن شعیبے روایت کرتے ہیں، اور آپ باندھدی تے روایت کی ہے، اور محدث نباتی نے کہا کہ آپ مشہور نہیں (لسان المیزان ص ۲۳۱)

عبید بن باب

آپ تابعی ثقہ ہیں، محدث ہیں، مگر کثیر الحدیث نہیں، ابن معین نے ان کی بابت فرمایا ہے لیکن بشیء جس کا مطلب یہ ہے کہ کثیر الحدیث نہیں ہیں، ابن حبان نے کتاب الثقات میں آپ کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا ہے عبید بن باب الدوسی مولیٰ ابی ہریرۃ و عنہ ابن عون ۱۷ موصوف عمرو بن عبیدہ معتزلی کے والد ہیں

اور یہاں کا لڑکا دونوں نسا ج تھے۔
 حاشیہ مقامات میں ہر مکان ابوہاشم کا لگا اور میزان میں ہے ان عمرو بن عبید کان نسا ج
 (میزان ذہبی ص ۲۹۴)

عبید اللہ بن عمرو بن عبید

میزان ذہبی میں عمرو کے ترجمہ میں ان کی روایت سے ایک حدیث اور ایک واقعہ منقول ہے، حدیث
 اپنے باپ اور ایوب سے سنی اور عمر کے شریک سماعت تھے، اور ان کے ہمراہ بصرہ گئے اور وہاں ایوب سے
 حدیثیں سنیں، کمترین کہتا ہے کہ ان کے باپ دادا نسا ج تھے۔

عمرو بن عبید راس المعتبر لہ

یہ شخص پہلے حضرت حسن بصری سے بہت اختصا رکھتا تھا اور اس کے عقائد بہت صحیح تھے۔
 پھر ان کی مجلس سے علیحدہ ہو گیا اور قدرت اختیار کر کے دوسروں کو بھی دعوت دینے لگا، ابتدا میں حماد بن
 سلمہ حماد بن نید عبدالوارث یحییٰ بن سعید قطان عبدالوہاب نقفی اور علی بن عاصم وغیرہ نے اس سے حدیثیں
 سنیں، بڑا محدث و عابد تھا مگر صرف بدعت و دعوت قدرت کی وجہ سے متروک الحدیث ہو گیا۔
 حسن بصری فرماتے تھے، عمرو بن عبید اگر مبتدع نہ ہو جاتا تو بڑا اچھا جوان تھا، ذہبی فرماتے ہیں منصور
 خلیفہ عباسی اسکی زہد و عبادت کے سامنے سر جھکا دیتے تھے اور فرماتے تھے

کلکم یطلب صید - کلکم ہمیشی روید فیہ عمرو بن عبید
 ابن قتیبہ نے معارف میں لکھا کہ اسکی وفات کے بعد منصور نے ان اشعار میں اسکا مرثیہ لکھا
 صلی اللہ علیک من متوسد قبرا مرت بہا علی مران

۱۔ ان کے باپ بافندہ تھے ۲۔ عمرو بن عبید کپڑا بننے والے تھے۔ (مسود)
 ۳۔ تم میں سے ہر ایک شکار تلاش کرتا ہے اور ٹھہر کر چلتا ہے سوائے عمرو بن عبید کے۔ (مسود)
 ۴۔ اے مران کی اس قبر پر ہونے والے جس پر میرا گندہ ہوا، اللہ تیرے اوپر رحمت نازل فرمائے۔ (مسود)

قبر الفضل مومنًا متحنفًا صدق الالہ و دان بالقلوب
لوان ہذا الدھر التقی صالحا البقی لنا حقًا با عثمان

مکہ معظمہ کے راستہ میں ۴۲۳ھ یا ۴۲۴ھ میں وفات پائی ۔

یعقوب فسوی کہتا ہے ان عمرو بن عبید کان نساجًا (یعنی عمرو بن عبیدہ کپڑا بننے والے تھے) پہلے پہل اعترال کا قائل و اصل بن عطار غزال ہوا پھر عمرو بن عبیدہ اس سے مل گیا ۔ واصل کو بیدہ خرقی ہوئی یہاں تک کہ اپنی بہن سے عمر و کی شادی کر دی اور بہن سے کہا میں نے ایسے شخص سے تیری شادی کی ہر جو خلافت کا مستحق ہے، کمترین کہتا ہو کہ غزال و نساج دونوں کے پیشے قریب قریب ہیں اور شاید یہ دونوں پیشے نور بانوں ہی کے ہوتے تھے، اس کی تائید واصل و عمر و کی اس نسبت سے بھی ہوتی ہے ۔

عبد الرحمن بن عمر بن عبد الرحمن دمشقی نساج

آپ اپنے زمانہ میں بڑے جلیل القدر محدث تھے، حافظ ذہبی نے آپ کا ذکر ان الفاظ میں کیا ابن المسند الشیخ عبد الرحمن بن عمر بن عبد الرحمن الدمشقی النساج، آپ کی وفات ۳۳۳ھ میں ہوئی، افسوس کہ اس سے زیادہ آپ کا حال معلوم نہ ہو سکا ۔

علی بن محمد بن محمد الطرازی

(تذکرہ ص ۳۵۴)

طرازی اسے کہتے ہیں جو مظنہ دیکڑے کی ایک قسم ہو، بتا ہو، آپ کا کچھ حال معلوم نہ ہو سکا، صرف اتنا معلوم ہوا کہ آپ محدث ہیں، شیخ الاسلام ابوالسملیل عبد اللہ بن محمد نے آپ سے حدیثیں سنیں، شیخ الاسلام کی ولادت ۳۹۶ھ میں ہوئی ہے ۔

۱۔ اس قبر میں ایک عبادت گزار مومن آرام فرما ہے جس نے خدا کی تعدیق کی اور قرآن پڑھا یاں لایا ۔ (مسود)
۲۔ اگر اس زمانے نے کسی نیک انسان کو باقی رکھا ہوتا تو ابو عثمان کو باقی رکھا ہوتا ۔ (مسود)
۳۔ مسند شیخ عبد الرحمن بن عمر بن عبد الرحمن دمشقی کپڑا بننے والے ۔ (مسود)

عبدالواحد بن محمد الباقا سم مطرز

آپ محدث ہیں، آپ عبد اللہ بن محمد بن حسین بن نایانے حدیث سنی (جواہر ص ۲۸۲)

عطار سلمیٰ

آپ سلیمان تیمی کے معاصر ہیں، انس بن مالک کا زمانہ بھی پایا ہے، حسن بصری و جعفر بن زید و عبد اللہ بن غالب آپ کے مشہور اساتذہ ہیں جن سے حدیث اخذ کی، بڑے عابد و زاہد تھے۔ ذہبی کہتے ہیں عطاء السلمی المشہور من کبار الخافین بالبصرة آپ بھی نساج تھے، امام غزالی فرماتے ہیں لقد سمعت بعض علمائنا یسألون حکم ان عطاء السلمی نسج ثوباً فاحکمہ و احسنہ و حملہ الی السوق (منہاج العابدین) آپ کے خون کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص بحالت نساء آپ کے پاس پہنچے اور سرد سانس لی اور رونے لگے، آپ نے سبب پوچھا وہ بولے آپ کی یہ حالت دیکھ کر دل بھر آیا اور آنکھوں کے آنسو جاری ہو گئے۔ آپ بولے کہ مجھے یہی بہت زیادہ محبوب ہو کہ قیامت تک سانس گلے میں اٹکی رہے کیونکہ مجھے خون ہو کہ سانس نکلنے کے بعد کہیں آتش جہنم کا سامنا نہ ہو (میزان الاعتدال ص ۱۸۱)

عبدالملک بن ابی بکر موصلی

مشق میں پیدا ہوئے وہیں نشو و نما پائی اور پہلے اپنے والد کی خدمت میں تحصیل علم میں مشغول ہوئے اس کے بعد بیت المقدس جا کر ابن الناصح وغیرہ کے حلقہ درس میں شریک ہوئے، انھوں نے ایک رسالہ فقہ میں اور ایک تصوف میں تصنیف کیا ہے ان کے ایک نعتیہ قصیدہ کا مطلع ہے۔

انثر بطیبة و انظم اطیب الکلم و انزل بہا تمیم سید الامم (الضروری ص ۱۸۱)

۱۔ عطار سلمیٰ بصرہ کے مشہور خدا ترس لوگوں میں تھے۔ (مسعود)

۲۔ میں نے نیا پور کے ایک عالم سے سنا ہے کہ عطار سلمیٰ نے ایک کپڑا بنا اور اس کو انتہائی

پامیدار اور عمدہ بننے کے بعد بازار لے گئے۔ (مسعود)

۳۔ طیبہ کے اندر نثر و نظم کے بہترین کلمات کہو۔ وہاں پڑاؤ کر پھر سید الامم کا قصد کرو۔ (مسعود)

انہوں نے ابن ناہض کی سیرۃ مؤیدہ پر تقریفاً لکھی ہے، اکابر وقت نے ان سے استفادہ کیا ہے
 زائرین، مستفیدین اور سفارش کرنے والوں کی ان کے پاس بھیڑ لگی رہتی تھی، مشہور شافعی فقیہ
 و محدث ابن رسلان ان کا بہت احترام کرتے تھے اور جو شخص مرید ہونے کیلئے پیر کے انتخاب میں اس سے
 مشورہ لیتا تھا اس کو انہیں کے پاس بھیجتے تھے،

انہوں نے متعدد حج کئے تھے ۸۴۴ھ میں بیت المقدس میں انتقال کیا اور اپنے والد کے پاس
 مدفون ہوئے (سخاوی) ان کے والد کے حال میں پڑھ چکے ہو کہ وہ کپڑا بناتے تھے، حافظ ابن حجر نے
 ان کے والد کے بعض حالات ان کی زبانی سنے ہیں۔

عبدالقادر بن ابراہیم بن ابی بکر موصلی

ولی کبیر عارف باللہ ابو بکر موصلی کے پوتے تھے، سخاوی نے ان کے دادا کو القدوۃ الکبیر اور ان کے
 والد کو القدوۃ لکھا ہے، ۸۸۸ھ میں پیدا ہوئے اور عائشہ بنت عبد الہادی کے پاس صحیح بخاری
 اور غلات داری کی سماعت کی، اور مدینہ منورہ میں ابو عبد اللہ محمد مغربی سے بھی حدیثیں سنیں
 لوگوں کو حدیث سناتے تھے اور سلوک و تصوف میں اپنے والد کے جانشین تھے، سخاوی فرماتے ہیں کہ فقہ
 اچھے لوگوں میں تھے مجھ کو بھی انہوں نے اپنے مسموعا کی اجازت دی تھی، محرم ۸۶۲ھ میں ان کا انتقال ہوا،
 (سخاوی) ان کے دادا کپڑا بناتے تھے جیسا کہ ان کے حال میں ذکر کیا گیا ہے۔

عمری

النفوس اللامع میں متعدد علماء و اعیان کو عمری کے لقب سے ذکر کیا گیا ہے، اور اس لقب
 کی وجہ خود مصنف نے یہ بیان کی کہ عمر بناتے تھے اور یہی ذریعہ معاش تھا، اس لئے عمری کہلاتے
 لگے (دیکھو ص ۱۳۹) نسبتہ لعل العمر... تکسب بالعم... اور ص ۵۳ میں ہے کہ اجتہاد فی عمل العمر و بیہا
 مرتفقاً بذلک فی معیشہ (عبد الرحمن راجہ) اور منجد میں ہر عمر اس رومال کو کہتے ہیں جو شریف عورتیں
 اپنے سر پر ڈالتی ہیں، لہذا عمری کے معنی بھی رومال بننے والے ہوئے، اس لحاظ سے ہر وہ شخص
 جو عمری کے لقب سے ضوہ لامع وغیرہ میں مذکور ہے، بافندہ ہے، اسی طرح بہت سے لوگوں کے
 ذکر میں ہے کہ صنعت حریران کا ذریعہ معاش تھا، یا وہ ریشم کا چرخہ چلاتے تھے، (دیکھو ضوہ لامع ص ۱۹۲)
 اور تکسب من صناعت الحریر (ص ۵۲) عبد الرحمن طندائی (ص ۲۴) و ص ۲۵ وغیرہ ان سب لوگوں کی
 نسبت میرا ظن غالب ہے کہ وہ بافندے تھے،

مولوی حافظ غلام محمد سورتی

قوم کے بوجہ تھے، تحصیل علم کیلئے لکھنؤ کا سفر کیا اور ملا نظام الدین کے شاگردوں کے حلقہ میں شامل ہوئے، لکھنؤ سے مراد آباد اور وہاں سے برہان پور گئے اور علم ظاہر و باطن سے ایک عالم کو فیض پہنچایا، ساری عمر بانڈگی کر کے قوت حاصل کرتے تھے، اغنیائے وقت ان سے نیاز مندانہ تعلقات رکھتے تھے اپنا یہ پیشہ اختیار کرنے میں ان کو شرم نہیں آتی تھی، ان کے بیٹے شاہ ولی اللہ محدث سورتی کا ذکر آگے آئے گا، بارہویں صدی میں تھے (مجددِ خارِ ص ۲۶۹) اور مجدزِ خارِ ص ۲۶۱ میں ہے کہ حضرت حافظ غلام محمد ساکن گجرات قوم کے بوجہ تھے بانڈگی سے لقمہ حلال حاصل کرتے تھے، حفظ قرآن کے بعد تحصیل علم ظاہر کی کوشش کی چند کتابیں باقی تھیں کہ ملا نظام الدین کا شہرہ سن کر لکھنؤ آئے اور فراغت حاصل کی خانوادہ بیت اور انکے رشد کا نام معلوم نہیں ہو سکا، حافظ محمد فاضل لکھنؤی (جنہوں نے حفظ قرآن اور فنِ قرائت کی تحصیل ان سے کی تھی) فرماتے تھے کہ بڑے مرتاض عابد و زاہد اور شاغل و کاسب تھے ہر روز نماز میں بارگاہِ پارے قرآن مجید کے پڑھتے تھے اور اس پر مداومت کرتے تھے، عبادت کے شوق میں رات کو تین لقمے سے زیادہ نہیں کھاتے تھے اور شربِ روزیاد الہی میں مصروف رہتے تھے، چند سالوں کے بعد وطن واپس ہو رہے تھے کہ برہان پور پہنچ کر اپنی والدہ کی وفات کی خبر سنی پھر گجرات کا ارادہ ترک کر دیا اور اپنی بی بی کو وہیں بلا کر مقیم ہو گئے، شیوخ لکھنؤ میں سے شیخ غلام سرور حج سے واپسی میں آپسے برہان پور میں ملے تھے، انھوں نے ان کے جوہر و احسان و سخاوت کے جو واقعات بیان کئے وہ ان کے کمال و ولایت پر صراحت و دلالت کرتے ہیں ان کا بیان ہے کہ میرے سامنے ایک شخص نے سات ہزار روپیہ نذر بھیجی انھوں نے اس میں سے صرف چالیس روپے اپنی بی بی کو دیئے باقی سب محتاجوں اور غریبوں پر خرچ کر دیا، اور میں نے سنا ہے کہ ایک دن فتوح میں ایک لاکھ روپے حاصل ہوئے اس کو بھی اسی طرح محتاجوں پر خرچ کر ڈالا، مہمان نوازی میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے، بے انتہا خوشدلی اور مسرت سے مہمانوں کی خدمت کرتے تھے اور خود سہائے چند لقموں کے (جو اوپر لکھے گئے) اور موٹے جھوٹے کپڑوں کے کسی چیز سے کچھ واسطہ نہیں رکھتے، اس دیار کے لوگ ان کی ولایت کے معتقد ہیں۔

اور حقیقت السورت میں مذکور ہے کہ مولانا غلام محمد برہان پوری احمد آباد میں پیدا ہوئے،

تحصیل علوم کے بعد پورب جاکر ملک العلماء مولانا نظام الدین پوری کی خدمت میں تکمیل علوم کی، سورت میں علمِ قراءت انھیں کافیض ہر، قادری سلسلہ میں شیخ حبیب اللہ کے خلیفہ تھے، اس کے بعد غوث اعظم ننگ پورا سلسلہ درج ہے، پورب (مکھنوں) سے شاہ جہاں آباد (دہلی) گئے، محمد انور خان اس زمانہ میں بادشاہ دہلی کی طرف سے برہان پور کے صوبہ دار مقرر ہوئے وہ مولانا غلام محمد کے معتقد تھے اس لئے انکو اپنے ہمراہ برہان پور لائے اور ایک عالی شان مدرسہ اور خانقاہ تعمیر کرا کے ۲۶ ہزار روپیہ سالانہ مدرسہ و خانقاہ کے خرچ کیلئے مقرر کر دیئے، جب نواب نظام الملک آصف جاہ فتح جنگ بہادر کے قبضہ میں برہان پور آیا تو مولانا غلام محمد ان کی ملاقات کو نہیں گئے اس لئے وظیفہ بند ہو گیا، مگر انور خان کی سفارش سے پھر بحال ہو گیا جب حال حکومت نے قبضہ الوصول پر ان کا دستخط و مہر طلب کیا تو فاضل سورتی نے جو مولانا کے گویا مدارالمہام تھے مہر کندہ کرا کے پیش کی انھوں نے مہر توڑ دی اور کہا کہ فقیر گناہم ہے مہر کی ضرورت نہیں ہے۔

برہان پور میں میاں نجی سوداگر بھی ان کے بڑے عقیدت مند و خدمت گذار تھے، جب وفات کا وقت آیا مولانا نے میاں نجی سوداگر سے کہا کہ میرے مرنے کے تین دن بعد تمام ساز و سامان لیکر سورت چلے جائیں، وفات کے بعد میاں نجی سوداگر نے ایسا ہی کیا تھوڑے ہی دنوں بعد مرٹوں نے برہان پور کو لوٹا اور تاجروں کا بہت مال و اسباب برباد ہوا، مولانا کی وفات ۱۲۹۹ھ میں ہوئی وصی تاملہم حقیقت السورت میں جو سن وفات چھپا ہے غالباً صحیح نہیں ہے، میرا خیال ہے کہ ۱۱۶۹ھ یا ۱۱۷۹ھ ہوگا حضرت میر شاہ عبداللہ لاہوری اور شاہ فاضل سورتی آپ کے تلامذہ میں ہیں، ان دونوں حضرات کا حال حقیقت السورت ۱۲۵۵ھ و ۱۲۵۶ھ میں ملاحظہ کیجئے، شاہ عبداللہ کی وفات ۱۲۰۵ھ میں اور شاہ فاضل کی وفات ۱۱۹۹ھ میں ہوئی، دونوں سورت میں مدفون ہیں۔

مولانا غلام محمد سورتی

مولانا دلی اللہ سورتی کے صاحبزادہ اور مولانا غلام محمد برہان پوری کے پوتے تھے، عالمِ دین اور عارفِ خدا تھے، اپنے والد کے بعد اللہ کی فیض رسانی کے سلسلہ کو جاری رکھا اور ساری عمر یا دہائی میں بسر کی، ۱۲۴۱ھ میں وفات پائی، اپنے والد کے پہلو میں شیدی عنبر کی مسجد میں مدفون ہیں (حقیقت السورت)

مولانا غلام احمد المصطفیٰ و نبویاں

آپ مولانا ولی اللہ سورتی کے پوتے اور مولانا غلام محمد سورتی کے بیٹے تھے، اپنے والد کے بعد درس و تدریس اور ہدایت خلافت میں مصروف تھے، حقیقت السورت کا معنی لکھتا ہر مجموعہ صفات فضائل صوری و معنوی و حیدر زماں و بحسن اخلاق حمیدہ سعیدہ و دران اند، یعنی تمام فضائل ظاہری و باطنی میں یکجائی روزگار اور اخلاق حمیدہ میں سعید زمانہ ہیں، آپ کی وفات ۱۳۷۶ء میں ہوئی، اپنے والد کے پاس مدفون ہیں (حقیقت السورت ص ۵)

حافظ محمد فاضل لکھنوی

لکھنؤ کے محلہ کینہ محلہ کے باشندہ تھے، حافظ غلام محمد سورتی اپنی کم عمری میں تحصیل علم کیلئے لکھنؤ آئے اور ملا نظام الدین سہالوی کے حلقہ درس میں شامل ہوئے، حافظ محمد فاضل نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر قرآن پاک کی اور قرأت سیکھی، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انکی قرأت میں ایسی مقبولیت عطا فرمائی تھی کہ سننے والا بے تاب ہو جاتا تھا، ایک دن میں صاحب بحر زماں (سوال کیا کہ تمام عمر میں کتنا قرآن اپنے پڑھا ہوگا۔ اور آپ بیعت کہاں ہوئے ہیں۔ فرمایا کہ آج تک کہ ۱۲۰۰ ہے پانچ ہزار ختم قرآن پاک کا کئے ہیں، اور تین سو ختم تراویح میں کئے ہوں گے بلکہ چھ سو اسلئے کہ تراویح میں جتنا پڑھنا ہوتا تھا اتنا پہلے ایک بار دن میں پڑھ لیا کرتا تھا۔ ایک دن قدوۃ العارفین (غالباً صاحب بحر زماں کے والد) نے فرمایا کہ فقیر کے بیکہ کی مسجد میں رمضان المبارک کے پہلے عشرہ میں چالیس سال سے متواتر ایک ختم حافظ محمد فاضل پڑھتے ہیں، کبھی کبھی عین حالت قرأت میں حافظ صاحب پر ایسی حالت طاری ہو جاتی تھی کہ آپ سے باہر ہو جاتے تھے، ان کی قرأت کی صدا آواز غیب معلوم ہوتی ہے جو ان کی زبان سے سنا دیتی ہے، اور بیعت کے معاملہ میں یہ معلوم ہوا کہ وہ ایسی ہیں، حضرت شاہ عبدالحلیم لکھنوی کی روح سے بطریق اولیت فیض پایا ہے۔ ایک دن حضرت مولوی غلام محیی خلیفہ شاہ ہدر عالم (خلیفہ مرزا مظہر جان جانا) نے فرمایا کہ ایک رات فقیر کو سرکار کتاب صلی اللہ علیہ وسلم کا جناب میں حضوری کا شرف حاصل ہوا، ایک شخص نے اس مجلس میں حافظ محمد فاضل کا ذکر کیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

شکر فرمایا کہ ہمارا حافظہ محمد ناضل ! مابین ۱۲۰۱ھ و ۱۲۰۵ھ بقید حیات تھے (نحویں خاں ص ۱۹) (۲۳۱۹)

مولانا فیض اللہ مٹوی

آپ کا وطن مٹو در ضلع اعظم گڑھ، تھا مولانا سخاوت علی جوہری کے شاگرد رشید تھے مولانا عبدالمعین لکھنوی سے بھی تلمذ تھا، آپ کے رعبہ بہت مؤثر تھا، اعظم گڑھ، علی گنج، سیوان اور دانا پور پٹنہ میں درس دیا، مولانا شبلی نعمانی نے اعظم گڑھ میں عربی کی کچھ کتابیں آپ پر پڑھیں (سیرت شبلی ص ۷۷) مولانا ابوالحسنات، عبد الغفور دانا پوری اور ملاح سام الدین مٹوی اور بہت سے علماء آپ کے شاگرد تھے، مولانا محمد یعقوب برادر حضرت شاہ محمد اسماعیل دہلوی سے بیعت و اجازت حاصل تھی، بڑے صاحب باطن تھے، مولانا سلیمان شاہ بھلواروی کی سوانح عمری ”خاتم سلیمانی“ میں مذکور ہے کہ ”لطائف ستہ کی مکمل تعلیم حضرت (مولانا شاہ سلیمان) کو چھپرہ میں جناب مولانا فیض اللہ صاحب مٹوی نقشبندی سے ہوئی، جناب مولانا اپنے کمالات باطنی کو ایسا مخفی رکھتے تھے کہ بہت کم لوگوں کو آپ کے کمالات باطنی کی خبر ہو سکی آپ نے ہمارے حضرت کو تمام اوراد و اشغال القول الجمیل اور الانتباہ کی اجازت مرحمت فرمائی، آپ کو حضرت شاہ محمد یعقوب سے اجازت تھی اور ان کو اپنے نانا حضرت شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمۃ اللہ علیہ سے (ص ۱۲۱) مولانا فیض اللہ کے لڑکے مولوی محمد علی ابوالکلام زبردست عالم اور حاذق طبیب تھے، اور بہت سے رسالوں کے مصنف تھے، ان کا ایجاد کیا، ہوار و غن و حرات بھی سارے ہندوستان میں شہور ہے۔

مولانا فیض اللہ کی وفات ۱۲ ربیع الاول ۱۳۱۶ھ میں بمقام دانا پور ہوئی اور وہیں سپرد خاک ہوئے، حضرت شاہ محمد یعقوب نے ایک خط ۲ محرم ۱۲۸۹ھ کو مکہ معظمہ سے مولانا کے نام لکھا ہے اسکی نقل بخط مولوی قائم علی عباسی مٹوی میں نے دیکھی ہے اس میں شاہ صاحب نے ان کو اس طرح خطاب کیا ہے مولوی صاحب عالی مراتب والا مناقب مولوی محمد فیض اللہ صاحب مکرم اللہ تعالیٰ ایک خط سے جو الہ یار خانہ نے ۱۲۸۹ھ میں مولانا فیض اللہ، مولوی قاضی احمد کے نام لکھا ہے اور اس میں حضرت خواجہ سید احمد صاحب کے وفات کی اطلاع دی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مولانا کے تعلقات خواجہ صاحب سے بھی تھے۔

فتیان ابوالسناء الحلبی نحوی بافندہ

قفلی نے کہا ہر عوام حلب سے ہیں، اپنے شہر کے اساتذہ کے پاس نحو پڑھی، پھر فرنجیوں کے ہاتھ سے حلب کی بربادی و ویرانی کی وجہ سے بہت دنوں تک وہاں کوئی اس فن کا جاننے والا نہ رہا تو لوگوں انھیں سے نحو پڑھی، ان کے تلامذہ میں سے ابن یعیش بھی ہیں، الغرض نحو کے امام نہ تھے اس فن کی کافی معرفت البتہ تھی، سندھ کے حدود میں انتقال کیا۔ واضح ہو کہ حلب کی بربادی کی تاریخ ۵۱۸ھ (بنیۃ النعمان ۲۵۸ھ)

فرقد بن یعقوب بنی

آپ کی حدیثیں سنن ترمذی و ابن ماجہ میں ہیں، آپ کا مطلق ذکر نہ تھا یُبُّ التَّمَذِیْبِ میں ہے اور تقریب میں حافظ ابن حجر نے آپ کے متعلق فرمایا ہر صدوق عابد بڑے سچے عبادت گزار ہیں اور امام احمد نے فرمایا رَجُلٌ صَالِحٌ ابن معین نے فرمایا ثَقَلَتْ اور ذہبی نے کہا أَحَدُ زُهَادِ الْبَصْرَةِ یعنی بصرہ کے زاہدوں میں سے ہیں، حضرت انس و مرثد و طیب سید بن جبیر سے شرف تلمذ حاصل ہو، اور آپ کے حماد بن زید و حماد بن سلمہ و جعفر بن سلیمان نے حدیث اخذ کی، میسرہ نے کہا اول منک دلتنا علی ابراہیم فرقد السبغی و کان حاکماً، سلمہ میں وفات پائی۔

قاسم درویش

ہالہ کنڈی (سندھ) کے رہنے والے تھے، اور مخدوم نوح سندھی سے بیعت تھے، صاحب تحفۃ الکلام نے سندھ کے مشاہیر ادیباء کے سلسلہ میں آپ کا ذکر کیا ہے، لکھا ہے: "سرفراز جولہی بود اما بقیہ میری حضرت مخدوم نوح از کارگاہ آگہی بہرہ وافی بر وہ، واقف تار بود حقیقت برآمد" (ص ۱۵۱م) مخدوم نوح کی وفات سلمہ میں ہوئی۔

شاہ قادیان لکھنوی

شاہ غلام آفاق لکھنوی کے فرزند اور شاہ معصوم کے مرید و خلیفہ تھے جبکہ شاہ معصوم کے

سلہ ابراہیم کے پہلے خلیفہ تھے ہماری لاہوری کی وہ فرقد سبکی ہیں اور وہ حاکم تھے۔ (مسند) سلمہ ان کا پیشہ جولہہ گیری تھا، حضرت مخدوم نوح کی مریدی سے علم و معرفت کا دامن حصہ پایا اور حقیقت کے تار و پود کو براہ کمال

سجادہ نشین ہوئے بننے کا کام چھوڑ کر متوکلانہ زندگی اختیار کی صاحب کھر زخار لکھتے ہیں کہ نہایت عزت و توکل و صلاح و تقویٰ کیساتھ آج بھی موجود ہیں (یعنی سن ۱۲۰۰ لغایت ۱۲۰۳ میں) (بحر زخار ص ۱۳۸)

مولانا حاجی حکیم قادر بخش سہسرامی

ابن مولوی حکیم حسن علی، سہسرام ضلع شاہ آباد میں ۱۲۳۳ھ میں پیدا ہوئے، اپنے والد ماجد مولوی شاہ احمد حسین سہسرامی، اور مولوی قاضی حکیم نور الحسن صدر علی گھانی ضلع گیا و حضرت مولانا حاجی قاری عبد الرحمن پانی پتی و مولوی سید معین الدین کرٹوی مدرس مدرّس زاپور و حضرت مولانا عبدالحی فرنگی محلی مولانا محمد نعیم فرنگی محلی و حضرت شاہ فضل رحیم جٹا گنج مراد آبادی و مولانا سید احمد دھلا کی اور حضرت حاجی امداد صاحب مہاجر و مولانا حبیب الرحمن ردو لوی ثم المدرّسی سے تمام علوم عربیہ و فارسیہ، طب، فقہ و حدیث، محکمات و منطق و تصوف کی تحصیل کی مدتوں ریاست کھکڑہ ضلع پورنیہ و اکنانہ کشن گنج میں تدریس و تذکیر و مطلب ادا امامت جمعہ و عیدین کے شغل میں رہے، مندرجہ ذیل کتابوں کے مصنف ہیں۔

التقریر المعقول فی فضل الصّحاح و اهل بیت الرسول، اربعین فی اشاعت مراسم الدین، ضرب در برگردن و اعظافاجر۔ رفع الدّیاب عن المغتربین بشرف الانساب۔ غایتہ المقال فی رصیۃ المہلال۔ تحفۃ الانبیاء فی فضائل اہل عباد جہر الاستقیا علی ریحانۃ سید الانبیاء۔

مولانا محمد ادریس گرامی لکھتے ہیں کہ میرے مطالعہ میں رسالہ تقریر معقول گذرا ہے فی الواقع بہت محقق و دل ہے (تذکرہ علمائے حال ص ۶۷) مولانا سہسرامی کی وفات ۱۲ رجب ۱۳۳۳ھ بمقام سہسرام ہوئی۔ اخیر عمر میں مولانا کا قیام اکثر بنارس میں رہتا تھا، ان کا وعظ بے نظیر تھا، حافظہ اتنا قوی تھا کہ احیاء العلوم کی عبارتیں اصحیح بخاری کی حدیثیں متن و سند کے ساتھ اور منطق الطیر و ثنوی مولانا روم کے اشعار صفحہ دو صفحہ و غلوں میں پڑھتے چلے جاتے تھے، جو چیز ایک دفعہ دیکھ لیتے تھے وہ یاد ہو جاتی تھی، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب سے بیعت تھے، انہیں نے بنارس میں ان کے وعظ بہت سنے ہیں۔

سائیں قطب شاہ لاہوری

(ازحد یقہ الاولیاء)

یہ بزرگ شیخ غلام حسین کامریہ تھا، حصول قوت حلال کی واسطے جولاہوں کا کام کرتا تھا، اگرچہ فقیر تھا۔

لے حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے آپ کو خلافت بھی حاصل تھی (ازالمشتاق ص ۱۱ بحوالہ المآثر)

مگر گزر گز جمع نہ رکھتا تھا، طبیعت اس کی باطنی عبادت اور ریاضت کی طرف بہت مائل تھی، کم بولتا اور کم کھاتا اور لوگوں سے کم ملتا زبان سے جو کچھ اکثر اوقات وقوع میں آجاتا، چنانچہ مؤلف کتاب (مفتی غلام سرور لاہوری) کے دو فرزند غلام صفدر و اکبر آنکھوں کے عارضہ سے سخت بیمار ہو گئے اور بیماری دو سال تک درازی کھینچ گئی آخر ایک دوست کے کہنے سے بندہ ایک آثار قدسیہ ادویہ پادریل لیکر حاضر ہوا لڑکوں کی حالت دیکھ کر حضرت نے افسوس کیا اور دست مبارک ان کے منہ پر پھیر کر کہا کہ اب طبیعت علاج نہ کرنا یہ کہہ کر رخصت کیا دوسرے روز لڑکوں کی آنکھوں سے غلاظت بہتی رہی اور یہی حال دوسری رات کو رہا تیسرے روز جب لڑکے صبح کو سوئے ہوئے اٹھے بالکل سندرست تھے گویا کبھی ان کو آنکھوں کا عارضہ نہ تھا، یہ حضرت سید فیض فاضل فوت ہوئے اور موضع کہوئی میران میں دفنائے گئے۔ (حدیقت الاولیاء ص ۱۳۹، ۱۴۰)

قاسم بن زکریا بن یحییٰ ابو بکر بن ادی مطرز

آپ بڑے بلند پایہ حافظ حدیث و فاری جید ہیں، حافظ ذہبی نے آپ کو حافظ حدیث میں شمار کیا ہے اور ان الفاظ میں آپ کو یاد کیا ہے: المطرز الحافظ الثقات المقرئ ابو القاسم الخیر بن عمران بن موسیٰ فراس سید بن سعید، محمد بن صباح، ابوہمام سکونی، اسحاق بن موسیٰ انصاری، مجاہد بن موسیٰ اور ابو کریب وغیرہم سے حدیث سنی، اور ابو محمد بن طیب و ابو عمر دوری سے قراءت سیکھی آپ سے ابو الحسین بن المنادی و جعفر خلدی و جعابی و ابو بکر شافعی و عبد العزیز بن جعفر و محمد بن المنذر و ابو حفص بن الزیات وغیرہم نے حدیث کی روایت کی، خطیب، بند ادی نے کہا ہے: کان ثقاتاً اور داؤد بن ابی نعیم نے کہا: قاسم المطرز مصنف مقررعی نبیل، اور ابن منادی نے کہا ہے: کان من اهل الحديث والصدق والمكثرين في تصنيف المسند والابواب الرجال۔ حافظ ذہبی نے آپ کی سند سے ایک حدیث نقل کی ہے۔ ۱۷ صفر ۳۵۷ھ میں انتقال کیا (تذکرہ ص ۲۵۷) (تنبیہ)۔ مطرز بکسر الراء اس شخص کو کہتے ہیں جو مطرز کپڑے بناتا ہو (تاریخ ابن خلکان ص ۲۲۲) (ولنا) لغت کی کتابوں میں ہے کہ زنگین دھاگوں سے بھول بوٹے اور تصویریں بنا کر کپڑے کو خوشنما بنانے کا نام تطریر ہے، اور طراز اس کا رخا نہ یا فیکٹری کو کہتے ہیں جہاں اعلیٰ درجہ کے نفیس کپڑے بنے جاتے ہیں۔

۱۔ ثقہ اور ثبت تھے۔ ۲۔ قاسم مطرز قراءت کے اچھے استاد اور مصنف تھے۔ (مسعود)
۳۔ حدیث کے عالم، سچے، اور مسند اور ابواب الرجال کے بسیار نویسوں میں تھے۔ (مسعود)

قزاز

۱۔ محمد بن ابراہیم دارقزی قزاز محدث تھے اور حافظ منذری کے شیخ اجازت اللہ میں وفات پائی (تکملاً ۲۵۶)۔ ۲۔ نصر اللہ بن عبد الرحمن بن محمد قزاز، ابوالسعادات کنیت، بکثرت لوگوں نے ان سے سماع حدیث کیا ہے، حافظ منذری کے استاذوں کے استاذ تھے ان کا لقب مسند بغداد تھا، نام لوگ ان سے حدیث کی سندیں درست کرتے تھے، ان کے دادا ابو غالب قزاز بھی محدث تھے، نصر اللہ کی وفات ۵۸۲ھ میں ہوئی، (شذرات الذهب ص ۲۴) حافظ منذری نے ابوالسعادات کا سن وفات ۶۸۳ھ لکھا ہے، اور شیخ الاہل ابوالسعادات کے الفاظ سے ان کو یاد کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ ان کا خاندان خانوادہ حدیث تھا خود انہوں نے اور ان کے والدین نے ان کے دادا اور دادی سے ان کے چچا اور ان کے والد کے دو چچا اور ان کے فرزند نے حدیثیں سنائی ہیں اور لوگوں کو سندیں عطا کی ہیں (تکملاً منذری ص ۲۴) حافظ منذری نے بار بار قزاز کے وصف کے ساتھ ان کا نام لیا ہے۔

ابو غالب قزاز

محمد بن عبد اللہ بن احمد بن مزوت، ابن زریق بہت بڑے محدث اور قاری تھے، ابو منصور قزاز کے والد اور نصر اللہ مذکور کے دادا تھے برمکی، قزوینی، غشاری، اور جوہری سے حدیث کی سماعت کی، جن لوگوں نے ان سے حدیثیں سنیں اور روایت کی، ان کا شمار نہیں، ابن ابی حاتم نے منہج میں ان کا ذکر کیا ہے، اور لکھا ہے کہ وہ ثقہ تھے، (۱۷۹۹) سمعانی نے بھی ان سب میں ان کا ذکر کیا ہے۔ ان کی وفات ۵۲۵ھ میں ہوئی، اور ان کو مشہور محدث لکھا ہے۔

ابو منصور قزاز

عبد الرحمن بن ابی غالب قزاز خطیب بغدادی کے شاگرد تھے، اور ان کی تاریخ کی شہرت انہیں کی روایت سے ہوئی ہے، ابو منصور سے بہت سارے لوگوں نے روایت کی۔ یہ نصر اللہ قزاز کے والد تھے، وفات ۵۲۵ھ میں ہوئی۔ (باب والناسب سمعانی)

کبیر داس

سکندر لدی (المتوفی ۹۲۳ھ) کے عہد حکومت (از ۸۵۴ تا ۹۲۳ھ) میں گذرے ہیں اذات کے

جراہے تھے (جد ولیہ ص ۱۲۱ اور خزینۃ الصفیاء)

خزینۃ الصفیاء میں ہے کہ کبیر داس شیخ تقی مانچوری کے مرید تھے، مرآۃ الاسرار میں ہے کہ شیخ کبیر
حاکم ملائی پہلے شیخ تقی جھنوسی کے مرید تھے، اس کے بعد رانند میراگی کی صحبت میں ریاضات و مجاہدات
کے مشرب توحیدان پر غالب آیا، ظاہر بنیوں نے ان کو کافر سمجھا اور اہل باطن ان کو موحد بے ریا سمجھتے ہیں
آخر میں مخدوم بھیک کے ہاتھ سے سلسلہ فردوسیہ کا فرقہ پہنا اور صلح کل کے طریقہ سے تسکین پائی۔
کبیر کو ہندو مسلمان دونوں مانتے تھے، ان کے باری میں اختلاف ہے کہ وہ مسلمان تھے یا ہندو،
صاحب خزینۃ الصفیاء اور صاحب مرآۃ الاسرار کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کو مسلمان مانتے
ہیں، چنانچہ ان کا اولیاء اللہ کے سلسلہ میں کبیر کو ذکر کرنا اور شیخ تقی کا مرید بنانا اور مخدوم بھیک سے فرقہ
پانا اس کی بین دلیل ہے، یہ بھی یاد رہے کہ خزینۃ الصفیاء میں انکا ذکر بعنوان "شیخ کبیر" ہے۔

حضرت شیخ عبدالحی محدث دہلوی کا بیان ہے کہ میرے چچا نے ایک روز میرے دادا شیخ سعد اللہ
سے دریافت کیا کہ یہ کبیر جس کی ہندی نظیں لوگ پڑھا کرتے ہیں، مسلمان تھا یا کافر؟ شیخ سعد اللہ
نے فرمایا کہ موحد تھا، میں نے کہا کہ موحد کافر و مسلمان سے الگ کوئی قسم ہے؟ تو انھوں نے فرمایا کہ اس
بات کا سمجھنا دشوار ہے پھر سمجھ جاؤ گے۔

اس واقعہ سے ایک بات یہ بھی ثابت ہوتی ہے کہ کبیر کی نظیں مسلمان مشائخ میں بھی مشہور
تھیں اور پسند کی جاتی تھیں، دوسری یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ کبیر، شیخ سعد اللہ المتوفی ۹۱۷ھ
سے پیشتر گذرے ہیں، لہذا خزینۃ الصفیاء نے جو سن وفات دستلہ کبیر کا ذکر کیا ہے غلط ہے۔
صاحب تاریخ مملو نے بھی غالباً خزینۃ الصفیاء ہی سے اخذ کر کے ان کا سن وفات ۱۰۲۳ھ لکھا ہے اور

لے تاریخ مملو منظوم میں شیخ تقی حاکم کو شیخ سلیم چشتی المتوفی ۹۴۹ھ کا مرید لکھا ہے اور سال وفات ۹۸۲ھ بتایا ہے۔

۱۲۹۱ھ اخبار الاخبار ص ۲۹۱ - عہ کما فی الخزینۃ ص ۱۲۱ - ۱۲۱

حضرت شیخ کبیر جولاہہ نثراد مرید شیخ تقی کے عنوان سے ان کا ذکر کیا ہے۔
 جدولیہ میں مذکور ہے کہ جب کبیر کی وفات ہوئی تو ہندوؤں نے ان کو جلانا چاہا اور مسلمانوں نے
 یہ چاہا کہ ان کو دفن کر دیں، اسی اثناء میں کبیر نے ان پر ظاہر ہو کر کہا میرا کفن اٹھا کر دیکھو، دیکھا تو وہاں
 پھولوں کا ایک ڈھیر پایا، تب آدھے پھول راجہ بنارس نے اپنے شہر لجا کر پھولوں کو جلا کر وہاں کبیر جولاہہ
 بنوایا، اور آدھے پھول کلی خاں نے جو مسلمانوں کا سردار تھا گاڑ کر ایک روضہ مقام گہر میں بنوایا،
 کبیر کی وفات گہر میں ہوئی تھی۔ یہ روضہ گہر میں تا ایندم موجود ہے، مگر اب بستی کے ضلع میں ہے
 اور این ای ریلوے کا ایک اسٹیشن ہے۔

گم گشتہ حالات اچودھیا ص ۲۲ میں ہے کہ شیخ کبیر شاہ بھیکہ دیلہری ضلع فیض آباد میں جب کام آواز
 کے خلیفہ تھے، اور شاہ بھیکہ خلیفہ جمال الدین اولیاء کے اور ان کا سلسلہ شیخ شرف الدین کھنئی منیری
 سے ملتا ہے۔

کبیر کا ذکر آئین اکبری جلد دوم ص ۱۵۷ مطبوعہ لٹکٹور پریس میں بھی ہے، اس میں ان کو کبیر موجد لکھا ہے،
 اور صاحب دیبسان مذاہب نے لکھا ہے کہ کبیر جولاہہ نثراد کہ از موجدان مشہور ہند است (ص ۲)
 کبیر کی پیدائش ان کے شاگرد خاص دھرم داس کے بیان کے مطابق سن ۱۵۵۰ء بکرت گڈرنے
 پر یعنی سن ۱۵۵۱ء چھٹے صدی پورنما سی کو ہوئی اور وفات کی صحیح تاریخ نسبت ۱۵۵۵ء معلوم ہوتی ہے، اس
 بنیاد پر ان کا سال ولادت تقریباً سنہ ۱۵۲۳ء ہوتا ہو اور قرآن بھی اسی کی
 تائید میں ہیں۔ منوہر لال زنتشی نے اپنی کتاب "کبیر صاحب" میں لکھا ہے کہ کبیر صاحب نے اپنی زندگی کے
 بعض حالات اپنے کلام میں نظم کر دیئے ہیں اور اسی وجہ سے یہ وثوق کے ساتھ کہا جاسکتا ہے کہ وہ
 ذات کے جولاہے تھے، بنارس میں رہتے تھے، آخر عمر میں مگر چلے گئے تھے (ص ۱۵) کبیر صاحب کے
 باپ اور ماں یا مربی و مربیہ کا نام بنیر دا اور نعیمہ تھا (ص ۱۵) کبیر صاحب کے کلام میں شیخ تقی کا نام کبھی
 کبھی آتا ہے مثلاً گھٹ گھٹ میں انباشی سنو تقی تم شیخ

۱۔ جلد ولیہ ص ۱۲۰ - ۱۲۱ - ۱۲۲ برچہار کردہ از اودھ (اچودھیا) بحر بن خاں - ۲۔ شیخ جمال گوہر (یا گوہرہ) معاصر
 شیخ احمد علی الحق رودلی ترجمہ فی اخبار الاخبار - ۳۔ اس کے بعد زنتشی نے کبیر کی نظم کے دو مصرعے نقل کئے ہیں (۱) جات
 جولاہہ کیا کرتے، ہر دے بسے گوبال (۲) تو باہن میں کاسی کا جولاہا، بوجھو مو رگینا،

(اور مثلاً)

مانک پور میں کبیر بے ری مدحت سن شیخ تقی کے ری
ادھی سنی جو بنور تھا نا جہنسی سنی پیرن کے نا نا

مسلمان کبیر پنچھیوں کا خیال ہے کہ کبیر شیخ تقی کے مرید تھے..... دسکٹ صاحب کی رائے ہے کہ اس نام کے دو بزرگ تھے، ایک کا مسکن الہ آباد اور فتحپور کے درمیان کٹر امانک پور کا قصبہ تھا۔ یہ ذات کے مذاہب اور فرقہ چشتیہ کے صوفی تھے، انکی اولاد اب تک اس گرد دوزاخ میں پائی جاتی ہے دوسرے شیخ تقی الہ آباد کے قریب جہنسی کے رہنے والے اور فرقہ سہروردیہ کے صوفی تھے ان کی قبر اب تک جہنسی میں پوچی جاتی ہے (ص ۶۷)

شیخ کمال بن شیخ کبیر

کبیر داس کے فرزند اور یہ بھی ملا متی مشرب تھے، شیخ عبدالرحمن چشتی نے مرآۃ الاسرار میں لکھا ہے کہ اپنے باپ کی خدمت میں تربیت پائی، اور باپ کی وفات کے بعد گجرات چلے گئے، گجرات میں حضرت شاہ عالم محبوب عالم ان کا بہت اعزاز و احترام بجالائے، اس لئے انھوں نے بہت شہرت پائی شیخ کمال کا مزار گجرات میں مشہور ہے، ناچیز کہتا ہوں کہ یہ بعد کے حالات ہیں، ابتداء میں شیخ کبیر اپنے لڑکے کمال سے بہت مایوس تھے، چنانچہ انھوں نے کہا تھا۔

ڈو بابنس کبیر کا اپجا پورت کمال

ہری کا سمن چھوڑ کے گہر لے آیا مال (کبیر صاحب ص ۷۰)

قطب الوقت حضرت مولانا کریم ردولی

حضرت سید سلطان اشرف جہانگیر (کچھوچھوی) المتوفی ۱۰۸۵ھ کے ہمعصر تھے، تصوف و عشق و دولت میں نہایت عالی شان، اور بڑے بلند پایہ صاحب کمال تھے ایک بار حضرت کچھوچھوی ان کے دیکھنے کو تشریف

لے غالباً شیخ عبدالحق نے انھیں کے شہر میں تقی جہنوی کو کٹر امانک پور کا باشندہ لکھ دیا ہے۔ یہ ایک غیر مسلم کا بیان ہے۔

لائے تو فرمایا کہ میں اس لائق نہیں ہوں کہ آپ جیسا دلی میری جھوڑی میں قدم رنجہ فرمائے، یہ آپ کی عین عنایت ہے، ایک دن حضرت شیخ صفی و حضرت شیخ عبدالقادر گنگوہی کے جد امجد اور شیخ سہارن دین مگر (یہ دونوں بزرگ حضرت سید سلطان اشرف کچھوچھوی کے مرید باکمال و صاحب کرامات تھے) مولانا کریم کنیت میں حاضر ہوئے، شیخ سہار الدین سے پوچھا کہ آپ کا نام؟ انھوں نے کہا شیخ سہار الدین مگر، فرمایا کہ اتنا بڑا نام کس سے لیا جائیگا، نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا نسبی سلسلہ منقطع ہو گیا کوئی نام لینے والا نہ رہا، پھر شیخ صفی سے پوچھا کہ آپ کا نام؟ بولے صفی۔ فرمایا تمہارا آنا بانا قائم رہے گا، معلوم ہے کہ ان کی اولاد عزت و وقار کے ساتھ تاحیث موجود ہے۔

ایک دن ایک شخص نے عرض کیا کہ سنتے ہیں حضرت نماز پنجگانہ مکہ میں پڑھتے ہیں، فرمایا ہاں کیسا تمہارا بھی ارادہ ہے؟ عرض کیا پوچھنے کا مقصد تو یہی تھا، فرمایا ہمارے پاؤں پر پاؤں رکھو اور بہاری گردن پکڑو اور کہو یا اے کیوم وہ خواندہ آدمی مجھے کہا یا اے کیوم، مقصد حاصل نہوا، حضرت نے فرمایا جس طرح میں کہتا ہوں ویسے کہو، انھوں نے اسی طرح یا اے کیوم کہا اور حضرت کے ساتھ مکہ گئے اور نماز ادا کی، ان کے کمالات حد تحریر سے باہر ہیں، سلسلہ بیعت کا پتہ نہ چل سکا، ان کا مزار ردولی کے کنارہ میلان میں ہے۔ یہ سب حالات صاحب بحور خاسر نے لکھے ہیں اور لکھا ہے کہ ان قوم کا ملک بود (ص ۲۶۲)

شاہ گنج علی فتحپوری

پہلے راجپوت تھے، بارہ سال کی عمر میں مسلمان ہوئے، اور مداری سلسلہ کے ایک فقیہ کے ہاتھ لگ گئے اس نے ان کو تعلیم و تربیت دی، وہ عام مداریوں کی طرح نہ تھا، بلکہ پابند شرع تھا، فقر و وریشی کا بھی مذاق رکھتا تھا، جب یہ اٹھارہ برس کے ہوئے تو وہ فقیر دنیا سے چل بسا، اپنے مربی کی وفات کے بعد شاہ گنج علی نے معلوم کہاں کہاں مارے پھرے بالآخر فتحپور پہنچے، اور طباطبائی ٹوکری مسجد میں مقیم ہو گئے، وہاں سے شیخ محمد ظریف نے شیخ علیم اللہ مرحوم کی مسجد میں ان کو لا کر ٹھہرایا۔ اس وقت سلطان الفضل حضرت مولانا کمال الدین محمد سہالوی زندہ تھے، شاہ گنج علی نے آپ کی خدمت میں آنا جانا شروع کیا، مولانا نے ان پر

عہ فتح پور بارہ بجکی کی ایک تفصیل ضلع گنگوہی سرحد پر ہے، جو دریائے گھاگھرا پر واقع ہے۔

خاص طور سے نظراتِ لہرائی، اور یہ مولانا حاضر ہو کر تنہائی میں مولانا سے استفادہ کرنے لگے، اس کے بعد شاہ عبدالرزاق بانسوی کے دیگر خلفاء مثلاً سید شاہ اسماعیل اور شاہ عبدالرزاق کے فرزند سجادین شاہ غلام دوست سے بھی استفادہ واسترشاد کیا، اور ربی زیادہ مخدوم شاہ سانگ کی روحانیت سے کرب فیوض کیا، تین سال تک ہر پچھنہ کو زیارت کیلئے جاتے رہے انہیں کبھی ناغہ نہیں ہوا۔ مولانا کمال الدین کو ان سے اتنی محبت تھی کہ ایک بار یہ مخدوم شیخ سانگ کی زیارت کو گئے اور کئی دن تک نہیں آئے تو مولانا نے آدمی بھیج کر بلوایا، جب اس پر بھی نہ آئے تو خود شریف لے گئے۔

آخر آخر میں ان بزرگ کی عظمت و شہرت کا یہ حال تھا کہ اکثر امراء وقت زیارت کو آتے تھے، چنانچہ سر فراز الدولہ مرزا حسن رضا خاں بہادر لکھنؤ سے بار بار ان کی زیارت کو حاضر ہوئے اور اکثر تحفے بھیج کرتے تھے، خواجہ غلام محمد عرت بڑے مرزا کو فتحپور جاگیر میں ملا تھا، وہ جب فتحپور میں رہتے تھے تو ہمیشہ آپ کی خدمت میں آیا کرتے تھے، راجہ نرمل رام چکلا دار کو بھی آپ سے سید عقیدت تھی، ہمیشہ حاضری دیا کرتا تھا اور اکثر اوقات بہت کثیر مقدار میں کھانا بھجوا کرتا تھا۔

مولوی اکبر علی تعریف العارفین (قلمی) میں لکھتے ہیں ”چرخہ از دست خود تیار ساخته میر شمس دگاہے ہوں رشتہ ہار از رختہ فرست می نمودند دگاہے دستارے تیار فرمودہ می فروختند و بکار می بردند“ یعنی انھوں نے اپنے ہاتھ سے چرخہ بنایا تھا، اور سوت کا تے تھے، کبھی کبھی سوت ہی بچکر صرف کرتے تھے اور کبھی اسکی پگڑی بچکر بیچتے تھے اور کام میں لاتے تھے۔

مولوی اکبر علی ہی کا بیان ہے کہ جب وہ شام کو قصبہ کے باہر جاتے تھے تو دو چار نوربان ان کے ساتھ ہوتے تھے،

تعریف العارفین میں ان کی بہت کرامتیں مذکور ہیں، مولوی اکبر علی نے خود ان کی زیارت کی ہوا لکھتے ہیں۔ برائشرف خطرات و بر علم وقوع سوانح قدر نے تمام داخات “

نیز فرماتے ہیں کہ ”میں نے انھیں کی صحبت میں خدمت فقرا سے آشنائی پیدا کی ہے“

فتحپور کی جس مسجد میں رہتے تھے اسی کے صحن میں آپ کا مزار ہے، ۱۲۳۲ھ سے پہلے وفات پائی ہے۔

تعریف العارفین کا قلمی نسخہ فقیر حقیر کے پاس موجود ہے۔

بحر زخا ۱۲۳۲ھ میں ہے کہ گنج علی شاہ کی پیدائش ٹانڈہ جلال پور میں ہوئی تھی، نوربان قوم سے تھے،

ہدایت اللہ کچھ چھپوئی کا بیان ہے کہ میں فقیہ (سبزوہ) میں انکی خدمت میں غرضہ تک رہا ہوں، میں نے ان کو بکثرت مشغول اور متوکل و مجاہد پایا، میں نے سلسلہ بیعت کے متعلق سوال کیا تو فرمایا کہ عاری سلسلہ میں مرید ہوا تھا بارہ سال تک ریاضت و مشقت کی مگر کچھ نہ کھلا۔ آخر میں شاہ عبدالرزاق کی روح سے فیض حاصل ہوا اور فتحیاب ہوا۔ اب چالیس سال سے میاں علیم اللہ کی خانقاہ میں رہتا ہوں، ہدایت اللہ کا بیان ہے کہ انکی کرامات کی تعداد بہت ہے، شیخ شکر اللہ کا بیان ہے کہ وہ بڑے متراض ہیں، اکل حلال کا بڑا اہتمام ہے، بحر منہا مکی تصنیف کے وقت بقید حیات تھے (بحر منہا مکی تصنیف کا زمانہ سنہ ۱۲۰۵ھ سے ۱۲۰۷ھ تک ہے)

محمد نقشبند

آپ خواجہ بہاء الدین کے والد بزرگوار ہیں، باپ بیٹے دونوں بزرگواروں کا نام محمد ہے (دیکھو سفینۃ الاولیاء) آپ بھی کنواری بنتے تھے، جیسا کہ خواجہ بزرگ کے حال میں تم پڑھ چکے ہو۔

محمد بن ابی سعید

نظام الملک جنیدی، سلطان شمس الدین التمش التوفی سنہ ۶۳۳ھ کے وزیر تھے، ضیا برنی تاریخ فیروز شاہی میں لکھتا ہے: "چوں در اصل وزیر تفحص شافی کردند و مبالغات نمودند بنائے جد نظام الملک جنیدی جو لاہر یافتند (فیروز شاہی مطبوعہ کلکتہ ص ۳۵)

سید محمد جامہ باغ

المغتم البارد میں انکی دو رباعیاں نظر سے گذری ہیں، جو درج ذیل ہیں۔

رباعی

وازلعل خموش بادہ نوش تو رسید
در ددل من مگر گموش تو رسید

جانم بلب از لعل خموش تو رسید
گوش تو شنیدہ ام کہ در و کردارد

دیگر

بر دیم بسر عمر در اندیشہ خام

کر دیم بہ نرم دیدہ چوں شمع مقام

۱۲۰۵ھ جب وزیر کی اصل کے سلسلے میں اچھی طرح تحقیق کی تو نظام الملک جنیدی کے دادا کو جولاہہ پایا۔ (مسعود)
۱۲۰۷ھ میں نے انکی نگاہوں میں شمع کی مانند قیام کیا اور ایک خام اندیشہ میں پوری عمر بسر کر دی۔ شمع تو مکمل ہونیکے بعد بج جاتی ہے لیکن انوس کہ میں مرا بھی اور مکمل بھی نہیں ہوا۔ (مسعود)

جنوں شمع تمام گشت می بر دوا
افسوس کہ مردیم دنگشتم تمام
میر سید محمد، اکبر کے عہد میں تھے، مفتاح التوائے مصنفہ مسٹر لاسن ولیم ہیل میں مذکور ہے کہ اپنے
زمانہ میں بڑی شہرت رکھتے تھے، ان کا ذہن نے مضامین اور اچھوتے الفاظ کے ڈھونڈنے میں یہ بیبا
رکھتا تھا، ۱۹۹۱ء میں ہندوستان آئے، اور اکبر بادشاہ دہلی کے دربار سے انعام پایا کر مالا مال ہو گئے،
۱۹۹۱ء میں وفات پائی۔

خواجہ خسرو

نام خواجہ محمد، حضرت عزیزان کے فرزند کلاں، اور عظیم ظاہر و باطن دونوں سے آراستہ تھے،
حضرت عزیزان نے اپنی وفات کے بعد ان کے چھوٹے بھائی خواجہ ابراہیم کو اپنا جانشین کیا تو بعض اصحاب
کو خیال ہوا کہ بڑے صاحبزادہ کو جانشین کیوں نہیں کرتے، حضرت عزیزان نے فرمایا کہ محمد (خواجہ خسرو) میرے
بعد زیادہ دنوں تک زندہ نہ رہیں گے، چنانچہ صرف انیس دن کے بعد خواجہ خسرو نے وفات پائی، تاریخ
وفات ”دوشنبہ، اردی اکبر ۱۰۵۵ھ“ ہے اپنے والد بزرگوار کی حیات ہی میں انکی برس کے ہو چکے تھے،
حضرت عزیزان کا ”بافندہ“ ہونا پہلے معلوم ہو چکا ہے۔

شیخ محمد صوفی فیومی

فیوم (مصر) میں مقیم تھے، علامہ شعرانی کا بیان ہے کہ وہ اکابر غارین میں تھے، یاصل من عمل
یدک بالحقائق وغیرہا، بنائی وغیرہ کر کے اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے، اور کسی سے کچھ نہ لیتے تھے، ابن عربی
کے شکل اتوال کی نہایت فصیح عبارت میں شرح کرتے تھے،

شعرانی کا بیان ہے کہ میں ۳۵ سال تک انکی صحبت میں رہا اور ان کے ملفوظات وارشادات
سے نفع حاصل کیا (طبقات شعرانی ص ۱۶۸)
یہ بزرگ دسویں صدی میں گذرے ہیں۔

مجمع بن سمان زہدی

آپ کی کنیت ابو حمزہ تھی، کوفہ کے رہنے والے تھے، ماہان ناہدا اور ابو صالح سے حدیث کی روایت کی اور ان سے ابو حبان تمیمی اور سفیان ثوری اور ابن عیینہ نے روایت کی، ابن معین نے کہا وہ ثقہ و متبر ہیں، ابو حبان کہتے تھے کہ مجھ کو (اپنی نجات کیلئے) سب سے زیادہ بھروسہ اس پر ہے کہ میں مجمع سے محبت رکھتا ہوں۔ آپ حاکم و نساج تھے، ابن ابی حاتم اور سمعانی نے اپنی کتاب انساب میں ان کا ذکر انھیں القاب کے ساتھ کیا ہے، امام بخاری نے بھی ان کا ذکر کیا ہے، دیکھیں کہ آپ عرب کے قبیلہ بنی نمیر یا موالی تمیم سے تھے، سفیان بن عیینہ فرماتے تھے کہ مجمع کو کچھ کم فضیلت نہیں حاصل تھی (بلکہ بہت زیادہ تھی) ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء ص ۹۹ میں اور ابن الجوزی نے صفۃ الصفوة ص ۱۳۳ میں مجمع کا ذکر کیا ہے، اور امام ثوری، ابو بکر بن عیاش، سمر اور اعش جیسے اکابر و ائمہ حدیث کی زبانی مجمع کے زہد و تقویٰ کے واقعات نقل کئے ہیں، ابن عیاش فرماتے ہیں کہ مجمع کی مجلس میں حب بنی اللہ و نفی فی اللہ کا ذکر ہوا تو فرمایا کہ میرے نزدیک اس کے برابر کوئی چیز نہیں ہے، ابن عیاش کہتے ہیں کہ یہ بات سننے ہوئے مجھ کو تقریباً تیس برس ہوئے اور جس وقت یہ بات مجمع سے سنی تھی اس وقت مجمع سے بہتر آدمی ہلکے کوفہ میں نظر نہیں آتا تھا، یہ بھی ان کا قول ہے کہ مجمع سے زیادہ پرہیزگار کون ہے۔ ایک بار امام ثوری ان کے پاس اس حالت میں گئے کہ ان کا ازار پھٹا ہوا تھا، مجمع نے چار درہم اٹھائے اور ثوری کی طرف بڑھاتے ہوئے یہ کہا کہ ان درہموں کا ایک ازار خرید لیجئے، ثوری نے کہا میں ان کا محتاج نہیں ہوں، مجمع نے کہا آپ سچ کہتے ہیں آپ محتاج نہیں ہیں مگر میں محتاج ہوں، اس کے بعد ثوری نے درہم لے لئے، اور ان کے عوض میں ازار خریدا، پھر ثوری کہا کرتے تھے کہ مجمع نے مجھے کپڑا پہنایا اللہ ان کو جزائے خیر دے۔

مجمع کے باپ کا نام انساب سمعانی وغیرہ میں سمعان لکھا ہے، اور حلیۃ الاولیاء میں صمنان اور صفۃ الصفوة میں یسار لکھا ہے۔

مجمع کی وفات زید بن علی کے خروج سے ایک دن پہلے ہوئی ہے، اور زید بن علی کی شہادت ۱۲۲ھ میں ہوئی۔

معاویہ بن خدیج کندی

امام بخاری، ابو حاتم، ابن البرقی، ابن یونس، ابن سعد، اور مفضل غلابی کے قول کی بنا پر رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، سرکار رسالت، حضرت عمر، حضرت ابوذر، حضرت معاویہ و حضرت عبداللہ بن عمر سے حدیث کی روایت کرتے ہیں، مصر و اسکندریہ کی فتح میں شریک تھے، بلکہ اسکندریہ کے فتح کی بشارت لیکر حضرت عمر کے دربار میں بھی آئے تھے، ابن ابی سرح کی سرکردگی میں جو لشکر ذبیہ (افریقہ) فتح کرنے کو گیا تھا اس میں شریک تھے، اور یہیں کسی لڑائی میں ان کی آنکھ بھی جاتی رہی۔

مغرب کی جنگوں میں کئی مرتبہ امیر مقرر ہوئے، افریقہ کو دوبارہ آپ ہی نے فتح کیا، حضرت امیر معاویہ کے حکم سے صقلیہ (سسیلی) پر بھی پہلی دفعہ انھیں نے فوج کشی کی تھی، گو سسیلی اس وقت فتح نہیں ہوا تاہم میدان انھیں کے ہاتھ رہا اور بہت سا مال غنیمت لیکر وہاں سے واپس ہوئے۔

۳۷ھ میں مصر کے گورنر مقرر ہوئے، ۴۲ھ میں وفات پائی۔

کمال ابن اثیر میں ہے کہ ان کو محمد بن ابی بکر نے یا ابن الیہود بن النساجۃ کہہ کر خطاب کیا ہے، یعنی آپ یہودی یا فتنہ عورت کے لڑکے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام سے پہلے ان کا خاندان یہودی تھا، نیز یہ کہ ان کے خاندان میں بننے کا پیشہ ہوتا تھا، ان کے لڑکے عبد الرحمن کا حال اوپر مذکور ہوا۔

محمد بن اشعث کندی

ابو القاسم کنیت، کوفہ جائے سکونت، اشعث بن قیس کندی صحابی کے لڑکے، اور حضرت ابو بکر صدیق کے بھانجے ہیں، حضرت عمر و عثمان و ابن مسعود و عائشہ رضی اللہ عنہم سے حدیث روایت کرتے ہیں، ان کی روایت سے ایک حدیث سنن ابوداؤد میں دوسری سنن نسائی میں موجود ہے، حضرت ابن الزبیر کی طرف سے موصل کے حاکم مقرر ہوئے، ان کی ماں حضرت ابو بکر کی بہن ام فردہ تھیں۔

ان کے والد اشعث کو حضرت علی نے حاکم بن حاکم کہہ کر (شرح نہج البلاغۃ ص ۹۶ و ۹۷) ۶۷ھ میں مختار نے ان کو قتل کر دیا۔

محمد بن اسمعیل الانصاری

دشوق کے باشندہ اور حضرت عباد بن الصامت انصاری کی اولاد میں تھے، ۱۶۶ھ میں ولاد ہوئی، امام ذہبی ہزی، سبکی، علانی، ابن عجم، حسینی اور عراقی جیسے حفاظ حدیث نے ان کے کئی زانوں کے تلمذ کیا تھا، اپنے زمانہ میں بقول عراقی مسند الافاق تھے، نہایت راستباز، امانت شعار اور حدیث و محدثین کے محب مخلص تھے، جیسا کہ امام عراقی کا بیان ہے، عراقی کہتے ہیں کہ ان کا ذریعہ معاش کپڑا بنانا تھا، وہ اپنے گھر میں صبح سے عصر تک کام کرتے رہتے اور صبح ان کے پاس پڑھا کرتے تھے، ۲۵۶ھ میں وفات پائی (دررکامندہ ص ۲۸۳)

محمد بن علی بن احمد حریری

حریری اور حر نوسی کے ساتھ معروف و مشہور ہیں، دشوق کے باشندہ تھے، لغوی، نحوی اور شاعر تھے، نہایت فائق ادیب اور فضل و کمال میں انتخاب روزگار تھے، ان کی تصنیفات بہت ہیں، ازاجملہ شرح اجماع و دو جلد، شرح فاکہمی کی شرح، شرح تہذیب، حاشیہ شرح قواعد، نہج النجاة، شرح الزبد اور طوائف النظام و لطائف الانجم کے نام تجلی نے لکھے ہیں، علامہ عمادی مفتی دشوق ان کا بڑا احترام کرتے تھے اور ان کے فضل و کمال کے مداح تھے، جب دشوق سے ایران کی طرف رحلت کی تو شاہ عباس صفوی نے ان کو رئیس العلماء کا منصب عطا کیا، دشوق میں ریشمی کپڑا بنا کرتے تھے اسی لئے حریری کہے جاتے تھے، حالت یہ تھی کہ یہ اپنے کارخانہ میں کام کرتے رہتے تھے، اور طلبہ آکر ان سے تحصیل علم کیا کرتے تھے، اور دونوں کاموں میں سے کسی میں کوئی قصور و فتور واقع نہیں ہوتا تھا، مجلی نے ان کے بہت سے اخوان نقل کئے ہیں، اور بدلی نے ان کی نسبت لکھا ہے کہ وہ عربیت کے اماموں میں سے ایک امام ہیں، سیبویہ و خلیل بھی ان سے فروتر ہیں، نہج النجاة ان کی بے مثال اور لاجواب تصنیف ہے، ان کے اشعار میں بڑی حلاوت اور الفاظ حد درجہ پاکیزہ ہیں، ربیع الشانی ۵۹۹ھ میں وفات ہوئی (خلاصۃ الاثر ص ۲۹ تا ص ۵۴)

سید محمد دمشقی میدانی شافعی

سلسلہ رفاعیہ کے نامور بزرگ اور سید محمد نقیب کے والد بزرگوار تھے، نہایت صالح، خوش اخلاق

اور کریم دینی تھے، حسن پورینی نے کہا کہ وہ میرے نزدیک اولیاء میں سے تھے، ریشمی کپڑے بننے لگے اور اسی کی آمدنی کو ذریعہ معاش قرار دیا تھا، مسئلہ میں وفات پائی (خلاصۃ الاثر ص ۱۴۵)

آپ کے صاحبزادے سید محمد نقیب الاشراف بھی پہلے اپنے والد ہی کے طور طریقہ پر تھے، اس کے بعد مسئلہ میں نقیب الاشراف کے عہدہ کو قبول کر لیا، مسئلہ میں وفات پائی (ص ۱۶۹)

محمد بن احمد طوخی شافعی

شمس الدین محمد بن احمد بن محمد بن صدیق، طوخی میں ۲۸۰ھ میں ولادت ہوئی، قرآن پاک، جاوی مختصر تبریزی، الفیہ حدیث، اور الفیہ نحو کو ازبکر کر کے شہاب بن رسلان اور قلعہ ہندی وغیرہ کو سنایا، شام میں بلاطی سے ملے، قاہرہ میں فقہ و فرائض کی تحصیل کی، مکہ میں ابن عیاش سے بروایت ابو عمر و تجوید حاصل کی، حافظ ابن حجر سے احادیث کی سماعت کی، ہمدانی کی سماعت میں برہان صالحی کے یہاں صحیح بخاری کا اکثر حصہ سنا اور ایک جماعت کے پاس اسکو ختم کیا، اسکے بعد اپنے شہر میں مقیم ہو کر یافندگی میں مشغول ہو گئے، ۳۳۰ھ میں اپنے لڑکے کو لیکر قاہرہ آئے، لڑکا بھی حادی اور درقات کا حافظ تھا، اس نے دونوں کتابیں سنحادی کو سنائیں اور دونوں نے ان سے احادیث کی سماعت کی، ۳۳۰ھ میں وفات پائی (ضوء المصباح ص ۱۷۱)

محمد بن علی دمشقی

محمد بن علی بن ابی بکر بن احمد بن علوش دمشقی نزہل صالحیہ، زہری نساج ۳۳۰ھ سے پہلے پیدا ہوئے، محب صامت کی زبان سے مسند ابی یعلیٰ کا ایک حصہ سنا، محدث تھے اور روایت فرماتے تھے، چنانچہ نجم ابن قہد نے ان سے احادیث کی سماعت کی، ۳۴۰ھ کے قریب وفات ہوئی (ضوء المصباح ص ۱۷۲)

محمد بن محمود حریری

محمد بن محمود بن فقیہ عبداللطیف، اصل باشندہ اسکندریہ کے تھے، مگر قاہرہ میں رہ پڑے تھے، ان کے دادا عبداللطیف مشہور فقیہ تھے، ان کی پیدائش ۳۳۰ھ سے پہلے اسکندریہ میں ہوئی، قریب بلوغ انھوں نے حج کیا، اور اس سے فراغت کے بعد قاہرہ میں مقیم ہو گئے، اسکندریہ کپڑا تیار

کہ ناذریۃ معاش تھا، علماء و صلیہ و مثلاً ولی الدین بلقینی اور انباسی سے ان کا بڑا میل جول تھا، علائقہ خاوی سے بھی رابطہ تھا، اس کے علاوہ ان سے حدیثیں بھی سنی تھیں، جامع عمری میں مرتبی کے عہد پر تھے (ضوء ص ۴۴)

محمد بن یوسف دیروٹی

شمس الدین محمد بن یوسف بن احمد بن محمد دیروٹی شافعی مقری (قاری) ابن العاصی کے ساتھ مشہور تھے، قرآن پاک اور دونوں شاطبیہ کے حافظ تھے، برہان کرکی نور دیروٹی وغیرہما سے قراءات سبعہ رسالتوں قراءتوں کی تحصیل کی تھی، ان کے علاوہ ادب بہت سے قراء و علماء کی خدمت میں رہ کر تکمیل کی تھی، فراغت کے بعد اپنے شہر میں قرأت کی تعلیم دیتے تھے، سخاوی کا بیان ہے کہ ان کی تعلیم میں بڑی برکت تھی، جو ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرتا تھا اس کو ضرور نفع ہوتا تھا۔

عمر بھر کپڑے جنکے اپنی روٹی کا سامان کیا، ۶۶۷ھ میں وفات پائی اور اپنے وطن دیروٹ میں مدفون ہوئے (ضوء لامع ص ۴۶)

محمد بن اللباد مالکی

ابو بکر محمد بن لباد بن محمد بن و شاح، یحییٰ بن عمر کے خاص شاگرد تھے، اور اپنے وقت کے تمام شیوخ سے حدیث کی سماعت کی تھی، ابوالیوب نے کہا کہ وہ جلیل القدر فقیہ، زاہد، پرہیزگار اور باہمت عالم تھے، ان کا شمار حفاظ و فقہاء میں تھا، محمد بن ادریس کا قول ہے کہ میں نے مشرق و مغرب میں بہت سے علماء کی صحبت اختیار کی مگر میں نے تین شخصوں کے مثل کسی کو نہیں پایا۔ ان میں سے ایک محمد بن لباد ہیں۔ وہ صاحب تصانیف بھی تھے، انکی وفات ۳۳۳ھ میں ہوئی، الدیبا ج المذہب میں ہے کہ ان کے پردادا و شاح حاکم (بافندہ) تھے (دیبا ج ص ۲۵۱) اخیر عمر میں مغلوب ہو گئے تھے، اس وقت اپنے بھولے ہوئے پردوں کو دیکھتے تو رو کر کہتے کہ اے اللہ ان کو بکلی صراط پر ثابت رکھنا، تو گواہ ہے کہ یہ پیر کبھی کسی گناہ کے سہم میں نہیں چلے ہیں، ان کی تصنیفات میں کتاب الطہارۃ، فضائل امام مالک اور کتاب الآئامہ والفوائد وغیرہ کے نام لئے گئے ہیں۔

شیخ موسیٰ ازہری

جامع ازہری میں تعلیم پائی تھی، ان کا قول ہے کہ آج سے بیس سال پہلے میرے بدن کے سب کپڑے میری ماں کے ہاتھ کے بنے ہوئے تھے، خیر الدین زرکلی و مشہور شامی مصنف جو آج ۱۳۷۲ھ میں بھی زندہ ہیں، کے شناساؤں میں ہیں و دیکھو عمان فی عمان ص ۹۷
خیر الدین زرکلی سے ۱۹۷۱ء میں میری ملاقات بیروت میں ہوئی تھی، بہت دیر تک علمی باتیں ہوتی رہیں، وہ کافی معمر تھے، اب کئی سال ہوئے ان کا انتقال ہو چکا ہے۔

محمد حموی شمس الدین بن العیار نحوی

حافظ ابن حجر نے لکھا ہے کہ پہلی افندگی کرتے تھے، پھر طلب علم کا شوق دامگیر ہوا اور عربیت میں بڑی مہارت پیدا کی، ابن جابر وغیرہ سے علم کی تفصیل کی، اور دمشق میں سکونت اختیار کی، جامع مسجد کے صدر نشین ہوئے، بڑے حاضر جواب اور وقافتی عربیت پر مطلع تھے، چنانچہ جب انھوں نے قاضی برہان بن جماعہ کی بدح میں یہ اشعار کہے۔

ان کان للمولیٰ ندی فلانت یا قاضی القضاة عطارك الطوقا

او کان سر للالہ بخلقہا قسما لانت السرد البرہان

تو برہان نے پوچھا کہ قاضی کی یہ ساکن کس طرح ہو گئی، حالانکہ قاعدہ سے اس کو لقب ہونا چاہئے تو انھوں نے برجستہ جواب دیا کہ جس طرح اس شعر سے

ولوان داش بالیمامۃ دارک ودارى باعلى حضور موت اھتدٰ لہا

میں داش کو دانیاً منسوب نہیں باندھا گیا، بلکہ اسکی یہ کو ساکن قرار دیکر اجتماع ساکنین کی وجہ سے حذف کر دیا گیا اسی طرح قاضی القضاۃ کی یہ منسوب نہیں باندھی گئی، برہان بہت خوش ہوئے، اور انعام سے نوازا،

ان کی وفات ۸۲۵ھ میں ہوئی، محمد حموی کا ذکر سخاوی نے الضوء اللامع میں اور ابن العواد حنبلی نے

شذرات الذهب میں اور سیوطی نے بغیۃ الوعاة میں کیا ہے۔

یہ اگر مولیٰ کی سخاوت شبنم کی طرح ہے قاضی القضاۃ تیری بخشش طوفان کے مثل ہے یا اگر خدا کا مخلوق کے اندر کوئی راز ہے تو وہ راز اور برہان تم ہو۔ سہ چغلوں کا گھر یا مہ میں ہو اور میرا حضور موت میں تب بھی مجھے ڈھونڈھ نکالے گا۔ (مسود)

محمد بن عمر بن سوار دمشقی عاتکی شافعی

آپ شیخ عبدالقادر بن سوار کے والد بزرگوار تھے، طریقت میں عبدالہادی صفوری آپ کے شیخ تھے، بڑے ہنجد گذار، اور بکثرت روزہ رکھنے والے تھے، غرضی نے آپ کو العبد الصالح الورع زکیہ پر ہیزار بندے کے عنوان سے ذکر کیا ہے۔

آپ سوتی کپڑے بنتے تھے، اور اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے، اپنے خرچ سے جو فاضل چتا تھا، اسکو خیرات کر دیتے تھے، ادب سواؤں اور یتیموں کی خبر گیری کرتے تھے، ان کی ایک کھلی ہوئی کرامت یہ تھی، کہ دس گز (ہاتھ) شاش دباریک سوتی کپڑے کی ایک قسم، دن کے کھانے سے پہلے پہلے بن لیتے تھے، جو بہت غیر معمولی بات ہے۔

آپ کی وفات ۶۴۳ھ میں ہوئی۔ (شذرات الذهب ص ۳۴۳)

میمون خامی

سخاوی نے لکھا ہے الرجل الصالح المعروف بمیمون الخامی (مرونیکی جنکی شہرت میمون خامی کے نام سے ہے، وہ اپنے ہاتھ سے خام (کپڑے کی ایک قسم) بنتے تھے، جہاں دھاگہ ٹوٹ جاتا تھا اور دوسرا دھاگہ جوڑتے تھے تو وہاں ایک سرخ نقطہ کا نشان بنا دیتے تھے، جب بیچنے کو بازار لیجاتے تھے تو دلال سے کہتے تھے کہ یہ بھی پکار کر کہہ دو کہ ہر نقطہ کے نیچے عیب ہے... (تحفۃ الاحباب ص ۱۷۱)

شاہ معصوم بن شاہ پیچو لکھنوی

شاہ غلام آفاق لکھنوی کے مرید و خلیفہ تھے ان کی وفات کے بعد ان کے سجادہ نشین ہوئے اور حقون سجادہ نشینی خوب ادا کئے۔ (بحرنا خا ص ۱۲۸)

لے دمشق کے بڑے عالمی رتبہ شیخ طریقت تھے، ۹۲۳ھ میں آپ کی وفات ہوئی... (شذرات الذهب ص ۱۳۱)

نواب مرزا مغل بیگ بہادر

بہادر شاہ ظفر کے وزیر تھے، اور ظفر شاہ کی ولی عہدی کے زمانہ میں ان کے مختار کل تھے، دنیا کا دھند ہے کہ جب کسی کارسوخ حد سے زیادہ ہو جائے تو لوگوں کی آنکھوں میں خار بن کر کھٹکنے لگتا ہے، شاید یہی بات تھی یا واقعی وہ کچھ بد مزاج تھے اس لئے شاہی نوکروں کو ان سے شکایت پیدا ہوئی اور اس کا چرچا ہوا تو شاہ نصیر التوئی سدھن سے استاد ذوق نے ابتدا میں چند دن اصلاح لی تھی، یہ قطعہ لکھا ہے

تامنے بانے پر نہ رکھ دنیا کے ہرگز اعتبار غور کر چشم حقیقت سے کہ سر پر کو پہ ہے
توڑ کر تو اس طرف سے اس طرف کو جوڑے تو تو تو مومن ہے ورنہ مومنوں کی پوچ ہے

محمد حسین آزاد نے لکھا ہے کہ ذات کے جولا ہے تھے ... (آب حیات ص ۲۴۴)

محمد بن احمد بن عبد الملک بن ابی بکر موصلی

عارف باللہ شیخ الشارح ابو بکر موصلی دمشقی کے پڑ پڑتے تھے، اور امین بن الاخصاصی کی خانقاہ کے شیخ تھے، دمشق وطن تھا، نویں صدی کے بزرگوں میں ان کا ذکر سخاوی نے کیا ہے، ان کے پر دادا بنائی کا کام کرتے تھے۔

معا فیری

یمن کے معافی خاندان کے پارچہ بات ہونے کا انکار ناممکن ہو، معافی کپڑے معافیوں کی پارچہ باقی کے مجسم ثبوت ہیں، احادیث میں بھی ان کی پارچہ باقی کا ذکر موجود ہے، لہذا وہ تمام علماء داعیان جو معا فیر یا قبیلہ معافی کی کسی شاخ کی طرف منسوب ہیں سب پارچہ بات یا پارچہ بانوں کی اولاد ہیں، اس لحاظ سے قاہرہ (مصر) کے تمام بنو قزافہ جو اس کے دو محلوں، قزافہ کبریٰ اور قزافہ صغریٰ اور اسکندریہ کے محلہ قزافہ میں آباد تھے، وہ سب باقندوں کی اولاد تھے، بنو قزافہ کی نسبت خلاصۃ الاثر میں ہے کہ وہ معافین یعفر کی ایک شاخ ہیں (ج ۱ ص ۲۵۹) میں لکھا ہے "والمعا فیریاب یمنانیہ تنسب الی قبیلۃ من ہمدان یقال لہم المعافیر اسم الثیاب والقبیلۃ والموضع الذی تعمل فیہ واحد وریما قیل لہا المعافیرہ و ثوب معافی"۔

یہ معاف ایک یمنی قبیلہ کی طرف جس کا نام بھی معاف ہے منسوب کپڑا ہے۔ کپڑا، قبیلہ اور جگہ تینوں کا نام معاف ہے، اسے معافیہ اور ثوب معافی بھی کہتے ہیں۔

حریری

بہت سے علماء و اعیان کے نام کیساتھ حریری کی صفت بھی مذکور ہے، حریری کے معنی ریشم فروش اور ریشم بات دونوں ہو سکتے ہیں، چنانچہ بعض حریری اشتخاص کی نسبت تو تفریح موجود ہے کہ مشہی کپڑا بنتے تھے، جیسا کہ محمد بن علی بن احمد حریری کی نسبت مجھی نے خلاصۃ الآثار ص ۴۹ میں لکھا ہے، لہذا حریریوں میں بھی بہت سے باندہ حضرات ہوں گے، میں نے ان سب لوگوں کا ذکر نہیں کیا ہے۔

حریری

جن حضرات کے ناموں کے ساتھ یہ نسبت لگی ہوئی ہے ان میں ایک نہایت بلند پایہ حافظ حدیث، داماد من، ہندوستانی بھی ہیں جن کو ابو النخیر نجم الدین سعید بن عبد اللہ الدہلی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، انھوں نے سماع حدیث کیلئے بغداد اور مصر و شام کا سفر کیا تھا حافظ ابن حجر نے الدرر الکامنه میں ان کا ذکر کیا ہے، سنن کبریٰ نسائی کا ایک نسخہ ابن الفصیح کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اس کے آخر میں ابن الفصیح نے لکھا ہے کہ میں امام ابن الماریط کے پاس اس کتاب کی قرأت کر رہا تھا تو سننے والوں میں امام علامہ محدث حافظ سعید بن عبد اللہ الدہلی الحریری بھی تھے۔ حافظ ذہبی ان کے شاگردوں کے شاگرد تھے، سنن ۴۹ میں انتقال کیا۔

شیخ علی بن ابی الحسن حریری

ابن تغری بروی تے یوں نام لیا ہے علی بن ابی الحسن بن منصور الشیخ ابوالحسن مگر مجھ کو ابوالحسن، ابوالحسن کا محرف معلوم ہوتا ہے، ان کا تعارف کبیر الفقراء الحریریہ یا مقدم الطائفۃ الفقراء تحریریہ کے عنوان سے کرایا جاتا ہے، سیر اعلام النبلاء میں حافظ ذہبی لکھتے ہیں، وہ حوران کے قریب بکریامی بستی میں پیدا ہوئے، بچپن ہی میں دمشق چلے آئے اور یہاں آکر مزدی کپڑا بننے کا ڈھنگ سیکھا، اور اس میں بہت ماہر ہو گئے، پھر وہ مقرر ہو گئے جس کی وجہ سے قید خانہ کی ہوا کھانی پڑی،

ان کی ماں دمشق کی تھیں، وہ امیر مسیب عقیلی کی ذریت میں تھیں، ان کا ماموں سونار تھا، علی حریری کی پرورش بحالت یتیمی ہوئی۔ بہر حال قید خانہ سے نکلنے کے بعد انھوں نے عثمانی کچڑ بننا شروع کیا، پھر زہد و تقویٰ کا راستہ اختیار کر کے شیخ رسلان کے خادم ابوعلی غریب کے مرید ہو گئے۔ انھوں نے الزہرہ میں ہے کہ ان کے بایں بڑا اختلاف ہے، ابو شامہ نے ان کی تعریف کی ہے اور امام ذہبی وغیرہ ان کی سخت مذمت کرتے ہیں، ذہبی اور ابن تغری بردی نے ان کا سال وفات ۷۴۱ھ بتایا ہے، اور دونوں کتابوں کے محشیوں نے لکھا ہے کہ ابو شامہ کی کتاب ۱۰۰ فتن میں ہم کو مدح و ثنا کے بجائے انکی مذمت ملتی ہے، (النجوم الزاہرہ ص ۲۶، اعلام النبلاء ص ۲۲۴) اور شیخ یوسف نبہانی نے جامع کرامات الاولیاء میں ان کی نسبت لکھا ہے، أحد أركان الطريق وائمة الأولیاء و اکابر الصوفیة و مشاہیر العارفین، ص ۱۴۱) منادی نے بھی تعریف ہی کی ہے۔ بہر حال یہ کبیر الفقراء الحریریہ و حریری فقراء کا پیشوا، جو بعض لوگوں کے نزدیک ائمہ اولیاء میں سے ہے اس کو بھی حریری لکھتے ہیں اس لئے کہ وہ حریریات تھا۔ پہلے مروزی کچڑے بننا تھا بعد میں عثمانی کچڑے بننے لگا، ہم کو صرف یہ بتانا تھا کہ حریری کا اطلاق بافتدہ حریریہ پر ہوتا ہے۔

شیخ علی بن علی حریری

یہ شیخ ابو الحسن علی حریری کے فرزند ارجمند ہیں، ان کا ذکر حافظ ابن حجر نے درکامہ ص ۱۰۴ میں کیا ہے، لکھا ہے کہ ان کی ولادت ۷۴۱ھ میں ہوئی اپنے باپ کی وفات کے وقت یہ صرف دو برس کے تھے، انکی نشوونما باپ کے طور طریقہ پر ہوئی، ان کے مریدین و معتقدین کی تعداد بہت زیادہ تھی، بڑی عزت و وجاہت حاصل تھی، اور ابن تغری بردی نے ان کے بارے میں لکھا ہے الشیخ الصالح القدوة ابو الحسن علی بن الشیخ الکبیر علی الحریری شیخ الفقراء الحویریہ (ترجمہ) شیخ صالح مقتدا ابو الحسن علی شیخ کبیر علی حریری کے لڑکے پھر لکھا ہے کہ لوگوں کو انکے حنی میں بڑا اعتقاد تھا، اور درباب حکومت کے یہاں انکی بڑی عزت و حرمت تھی، اور ان میں بڑا تواضع و کرم بھی تھا۔ انکی وفات ۷۸۱ھ میں ہوئی جب کہ ان کی عمر ۴۰ سال تھی (نجوم ص ۲۲۴)

۱۰۰ طریقت کے ایک رکن، ائمہ اولیاء و اکابر صوفیہ اور مشاہیر عارفوں میں تھے۔ (مسعود)

حضرت امام غلام نعمان بن ثابت البوصیفہ کو فی رحمہ اللہ

آپ کی شہرت چاروں عالم میں ہے، ضرورت نہیں کہ آپ کے مناقب لکھے جائیں، صرف وہ نقول پیش کی جاتی ہیں جس سے آپ کا یہ پیشہ ثابت ہوتا ہے، فتاویٰ برہند باب میں ہر حرفت دے صنعت خزانہ بودی را خانہ بود بزرگ در آن خزانہ میگرد چوں آتش حسد ابن ابی لیلیٰ شعلہ زد می گفتے تحررت من ہذا الخزانہ و گاہا بنی بلفظ کہ من ہذا النساخ حالانکہ محرف محبوبیت حق تعالیٰ دارد و کلمہ حدیث ان اللہ یحب المؤمن المعتز اور احیاء العلوم میں غزالی فرماتے ہیں قال ابن ابی لیلیٰ لا یزاد شہرۃ الا تروی الی ابن الحائلک هذا لا نفی فی مسئلۃ الادد علینا یعنی اباحیفۃ فقال ابن شہرۃ لا ادری اھو ابن الحائلک ام ماھولکن اعلم ان النساخات الیہ فھرب منھا دھرت منا فطلبناھا اھ (احیاء العلوم ص ۳۰) کیمیائے سعادت میں بھی بعینہ اسی واقعہ کو نقل کیا ہے

خواجہ نجیب نساخ

آپ کا اس سے زیادہ حال معلوم نہیں ہے کہ حضرت شیخ احمد کھٹو کو دہلی سے جب آنحضری اڑلائی تو کھٹو کی سرحد میں جو اجیر و ناگور کے کوہستان میں ایک موضع ہوا ترے اور خواجہ نجیب نساخ کے ہاتھ لگے، یہاں سے بابا اسحق مغربی کے ہاتھ اس طرح آئے کہ مولانا صدر الدین حاندا مولانا شہاب الدین عالم سہمدانی ڈیڈ دانہ کو جاتے تھے جو دھلی کا پرگنہ ہے اس واسطے بابا اسحق کے پاس رخصت ہونیکو گئے، بابا نے فرمایا اگر کوئی ذی شعور لڑکا ہاتھ آجائے تو میرے واسطے لیتے آنا، جب مولانا صدر الدین ڈیڈ دانہ پہنچے تو خبر ملی کہ ایک لڑکا خواجہ نجیب نساخ کے ہاتھ لگا ہوا، مولانا کو بابا کا بیغام یاد آیا لڑکے کے دیکھنے کو گئے اور نساخ سے مانگ کر بابا کے واسطے لیتے گئے (گلزار ابرار ص ۱۲۴)

۱۔ ان کا پیشہ بنائی تھا، ان کے گھر کے بزرگ ریشمی کپڑا بنا کرتے تھے، جب ابن ابی لیلیٰ کو ان سے حسد ہوا تو ایک روز کہتا اس پڑا بننے والے پر مجھے حیرت ہے حالانکہ حرفت کرنے والا حق تعالیٰ کا محبوب ہوتا ہے۔ اس حدیث کی بنیاد پر کہ اللہ تعالیٰ ہمیشہ سے جڑے ہوئے مومن کو پسند کرتا ہے۔ (مسعود)

۲۔ ابن ابی لیلیٰ نے ابن شہرہ سے کہا کہ تم اس جولاہے کو نہیں دیکھتے کہ ہم جب بھی کوئی فتویٰ دیتے ہیں تو وہ اس کو رد کر دیتا ہے تو ابن شہرہ نے کہا کہ مجھے بتہ نہیں وہ حاکم ہے یا نہیں لیکن اتنا جانتا ہوں کہ دنیا اسے حاصل ہوئی تو اس نے اسے ٹھکرا دیا اور ہم سے دور ہوئی تو ہم اس کے پیچھے بھاگے۔ (مسعود)

حضرت شیخ احمد کبیرا دیباے ہند میں ہیں۔ ۵۹ھ میں بمقام احمد آباد وفات پائی اور وہیں سرکھنچ میں مدفون ہیں آپ کے حالات کے لئے اخبار الاخیار وغیرہ ملاحظہ ہو۔

منصر بن قاسم بن نصر بن زید ابواللیث فرائضی بغدادی

بڑے پایہ کے محدث و فقیہ حنفی تھے، فرائض میں آپ کو کامل مہارت تھی، طبقہ قرا میں بڑے بلند پایہ و عالی منزلت قاری تھے، حدیثیں عبید اللہ قواریری اور ابوبکر بن ابی شیبہ سے سنیں اور آپسے ابو حفص بن عثمان السخاوی و حافظ احمد بن یوسف وغیرہ نے روایت کی، خطیب نے اپنی سند صحیح سے بیان کیا ہے کہ حافظ احمد بن یوسف تنوخی فرماتے تھے کان فوائض البیضاء المنزلة فی العلم وکان فقیہاً علی مذهب ابی حنیفہ وکان مقرباً جلیلاً علی قراۃ ابی عمرو اھ، آپ دو واسطے سے امام القراء ابو عمرو بن العلاء کے شاگرد تھے، اور قدیم میں مصروف حیات تھے، جو اہر مضیہ میں ہے کان ابواللیث حاکم ثانی قدیم ایاہ، پنجشنبہ ۲۳ ربیع الآخر ۱۴۲ھ کو یہ آفتاب ہمیشہ کیلئے روپوش ہو گیا (جواہر ص ۱۹۲)

نوح بن دراج کوفی ابو محمد نخعی فقیہ شاکر رشید امام ابو حنیفہ

امام اعظم ذفر سے فقہ حاصل کیا اور زفر دانش و سعید بن منصور سے حدیثیں سنیں، ابن حزم اندلسی نے آپ کو ابو یوسف و محمد کے طبقہ میں ذکر کیا ہے، وکیع نے شریک ابن عبد اللہ سے جب کہا کہ اپنے لڑکوں کو پڑھائیے لکھائیے تو کہا ادراج ادب نوحا تا رخ خطیب میں ہو کہ دراج قوم بنط سے تھے اور حاکم تھے، ان کے چار بیٹے تھے اور چاروں ایسے پاکے ہوئے کہ منصب قضا پر متمکن ہوئے (جلد ۲ ص ۱۳۶) خطیب نے یہ بھی لکھا ہے کہ قاضی ابن شبرمہ نے کسی فتویٰ میں غلطی کی تو نوح نے کہا ذرا اچھی طرح پھر سے غور فرمالیں، ابن شبرمہ سمجھ گئے کہ غلطی ہو گئی فرمایا کہ سائل کو بلاؤ، اور یہ شعر پڑھے

کادت نزل بہا من خالق قدم لولا تدارکھا نوح بن دراج
لہارائی ہفوة القاضی فاخرجھا من مددات الحکم نوح ای اخراج

اور بعضوں نے اس کو ابن ابی لیلیٰ کی طرٹ منسوب کیا ہے۔ (جواہر ص ۲۳۳)

خطیب نے لکھا ہے کہ شریک سے کسی نے آکر کہا کہ نوح بن دراج قاضی ہو گئے تو شریک نے کہا کہ اب وہ

۱۔ فرائض کے بڑے ماہر تھے، علم میں بلند مرتبہ تھے، فقیہ تھے، اور امام ابو حنیفہ کے مسلک پر عمل پیرا تھے، ابو عمرو کی فرات کے عالی منزلت قاری تھے۔ ۲۔ ابواللیث پہلے بنائی کیا کرتے تھے۔ (مسود)
۳۔ قریب تھا کہ قاضی کا پاؤں پھیل جاتا اثر نوح بن دراج نے اس کا تدارک نہ کیا، تو اب نوح نے قاضی کی نذر منسوخ دیکھی تو اس کو حکم کے مدن سے نکالا۔ (مسود)

عرب لوگ چلے گئے جو غصہ ہوتے تھے تو کافر ہو جاتے تھے۔ نوحؑ نے سارا میں وفات پائی۔

ناصر بن عبد السید بن علی المطرز ابو الفتح المعروف بالمطرزی دبی مشہور

رجب ۵۲۸ھ میں پیدا ہوئے، خوارزم کے باشندے زرخشری و موفقی کے شاگرد ہیں، نحو و لغت و فقہ میں یدِ طولیٰ حاصل تھا، حنفی المذہب تھے، تصنیفات بہت ہیں، بمثلہ ان کے المعز لغت نقد المنرب شرح المعرب الادناع فی اللغة، مختصر المصباح فی النحو، مقدمہ مطرزیہ مختصر الاصلاح لابن السکیت آپ کی وفات بروز شنبہ ۱۲ جمادی الاولیٰ ۵۸۵ھ میں مشہور خوارزم ہوئی، آپ کی جوتو بیع کا نمونہ یہ ہے

ورند ربی خواضلم نصیر

ورند ندی فواضلم وری

ودرنوالہ اباضیر

ودرخلالہ ابدائیں

دلک

قدیم علی الزفراندیدی تعامیا

تعامی زما فی من حقوقی واند

کفی لذی الاسماع متلم متادیا ع

فان تنکروا فضلی فان رعاشما

ناصر بن عبد اللہ کو فی محلی حاکم

آپ محدث ہیں، سماک بن حرب و یحییٰ بن کثیر سے روایت کرتے ہیں اور آپ کے والد بن صالح بن صالح بن عمر و کلجی آپ بڑے عابد و زاہد بھی تھے حسن بن صالح حافظ نے آپ کو یاد کیا تو فرمایا رجل صائم نعم الرجل فہی نے میزان میں اور ابن حجر نے تقریب و لسان المیزان میں آپ کا تذکرہ کیا ہے اور ترمذی میں آپ کی روایت موجود ہے۔

۱۔ علمائے کرام آپ کی مدح و ثناء میں رطب اللسان ہیں، دیکھو جواہر و فوائد و بنیہ و ذیات الایمان ابن خلکان نے مطرز کے معنی یہ بیان کئے ہیں من یعمل الثیاب المطرزة۔

۲۔ مولانا عبد الحئی صاحب ان کے زرخشری کے تلمیذ ہو چکا انکار کرتے ہیں۔

۳۔ اس بخشش کا اشارہ بھتا نہیں اس سبب سخاوت کا صفت ہمیشہ تردادہ رہتا ہے۔ اس کے عادات و اطوار قیمتی موتی ہیں

اور اس کے علیہ موسلا دھار بارش۔ (مسعود)

۴۔ نسقا! میرے حقوق سے زمانے بھر میں صرت نظر کرتی ہے جب کہ یہ بات اس کے لئے بہت نامناسب ہے، اگر تم لوگ میرے فضل کو تسلیم نہیں کرتے تو تم لوگوں میں سے اہل سماعت کے لئے اس کی آواز ہی کافی ہے۔ (مسعود)

مولوی ولی اللہ محدث سورتی

آپ مولوی حافظ غلام محمد گجراتی سورتی کے صاحبزادہ اور قوم کے بوہرہ تھے، حافظ غلام محمد نے لکھنؤ میں بحمد مت ملا نظام الدین سہالوی علم حاصل کیا قرأت و تجوید میں بہت ماہر تھے، مولوی ولی اللہ نے اپنے والد سے جملہ علوم ظاہر و باطن حاصل کئے، اس کے بعد حرمین میں حاضری کی سعادت حاصل کی اور شیخ ابوالحسن سے حدیث کی سند حاصل کی آخر میں سورت آکر متوکلانہ زندگی بسر کی، سید عبداللہ لاہوری نے برہان پورہ میں شاہ ولی اللہ سورتی سے علم حاصل کیا۔ ان کے والد حافظ غلام محمد کا ذریعہ معاش بافندی تھا (مجزر غلام ۲۶۹)۔ ۸۶ھ میں حاجی امین الدین محدث کاکوری جب حج کو گئے ہیں تو مولوی ولی اللہ کے مکان پر مقیم ہوئے ہیں (مواہب القلندر ص ۱۱) اور مولوی رفیع الدین مراد آبادی سے بھی انکی ملاقات غالباً ان کے سفر حج (۱۲۰۲ھ) میں ہوئی ہے انھوں نے اپنے رسالہ اخوان سیر میں ان کا ذکر کیا ہے اور بڑی مدح سرائی کی ہے۔

بحر خاں ص ۲۱۵ میں ہے کہ ان کو اپنے والد کی زندگی ہی میں مشاہدہ کا مرتبہ حاصل ہو گیا تھا۔ حقیقت السنہ میں ہے کہ جب مولانا غلام محمد تکمیل علوم کے بعد برہان پورہ پہنچے وہیں مقیم ہو گئے تو اپنے لڑکے شیخ ولی اللہ کو بلا کر تعلیم دینا شروع کی اور سات سال میں انکو فارغ کر دیا، اس کے بعد شیخ ولی اللہ نے حرمین جانے کی اجازت مانگی تو انھوں نے اجازت دیدی، یہ مدت سے جہاز پر سوار ہو کر حجاز گئے اور مناسک سے فارغ ہو کر شیخ ابوالحسن محدث مدنی (دسندی) سے حدیث کی سند حاصل کی، واپسی کے بعد اپنے والد کی خدمت میں پیکر استفادہ کرتے رہے، جب انکی وفات ہو گئی تو چالیس دن کے بعد سورت چلے آئے اور دروازہ سید پورہ کے باہر شیدی عنبر کی مسجد میں قیام کر کے علوم دین کا درس دینے لگے اور اسی طرح اپنی ساری زندگی گزار دی۔

۱۲۰۶ھ میں آپ کی وفات ہوئی (۸۶ھ) آپ کا مزار شیدی عنبر کی مسجد میں ہے۔

ہلال بن علی نساج

ابوالبدر ہلال بن علی بن ابی العز بن یوسف بن ابی العز بن ووالہ حرانی نساج ذی الحجہ ۵۳ھ میں

پیدا ہوئے نجیب الدین حرانی اور عزالدین حرانی، اور عبدالعزیز بن عبدالقادر اور احمد بن طرخان وغیرہم سے سماع حدیث کیا، برزالی اور امام ذہبی اور ابن رافع نے ان سے حدیثیں سنیں۔

۲۳۳ھ میں بمقام دمشق وفات پائی۔ (دررکامنه ص ۳۳۳)

میاں ہدایت اللہ

کیڑا بن کر دوزینہ حاصل کرتے تھے اور اسی سے اپنا اور اہل و عیال کا کام چلاتے تھے ہنگالہ میں قیام تھا (دجر زخار ص ۲۶۹۹)

صہبۃ اللہ بن احمد بن یعلیٰ الطرازی

بڑے فقیہ و اصولی و مناظر تھے اور طلبہ و علماء کے مرجع تھے، آفاق سے طلبہ آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر مستفید ہوتے، شرح جامع کبیر، شرح عقیدۃ الطحاوی، تبصرۃ الاسرار، شرح المنار، آپ کی تصنیفات ہیں، ۸۱۷ھ میں وفات ہوئی، کفوی نے کہا کہ طرازی بکسر الطاء ترکستان کے ایک شہر کی طرف نسبت ہے مگر یہ صحیح نہیں ہے بلکہ یہ نقشبندی کی طرف نسبت ہے لہذا قال العلامة عبدالحی (نوائد ص ۲۲۲)

یوسف بن عبد الکریم موصلی

عزالدین ابوالحسن یوسف بن عبد الکریم بن ہبیل موصلی نزیل یمین، موصل سے سلسلہ کے حدود میں بعد ابوالنظر یوسف شاہ یمین میں آئے اور ۲۶۱ھ تک یہاں اقامت کی، پھر تقریباً نوے سال کی عمر میں براہِ دنیا ہندوستان کا قصد کیا، نہایت تیز فہم و ذہین آدمی تھے، بوٹے دار ریشمی کپڑا بناتے تھے، ابن فضل اللہ اور عبدالباقی یمانی نے ان کا ذکر شعراء یمین میں کیا ہے، ان کے تین شعر حافظ ابن حجر نے دررکامنه میں نقل کئے ہیں، ان میں انھوں نے اپنے پیشیہ کا بھی اظہار کیا ہے،

یا امام الزمان فی کل فن و بدیعاً قد بدشا و البدیع

قد رفعا الی معالیک رضا من حریر فی ضایۃ الترشیع

دوحۃ فی اواخر الصیف خلعت ہا کما جاء فی زمان الربیع (دررکامنه ص ۲۶۲)

۱۔ اے جملہ فنون میں امام زمانہ اور نادر روزگار جس نے بدیع پر بھی سبقت حاصل کر لی ہم سے تیرے حضور ایک منقش ریشمی کپڑا پیش کیا، جو موسم گرما کے اواخر کے درخت کی طرح ہے لہذا تم اسے قبول کر لو کہ وہ تمہارے لئے پاس موسم بہار کا تحفہ ہے۔ (مسود)

یوسف غزی مرقی

یوسف بن احمد بن عثمان غزی مرقی شافعی، فاضل یکتا اور جامع فنون فائق عالم تھے، غزہ ہاشم میں ۱۱۹ھ میں ولادت ہوئی، شیخ محمد عامری کی خدمت میں حفظ قرآن اور نحو و فقہ کے مبادی حاصل کئے، تین سال تک مدینہ منورہ میں حفظ و تجوید قرآن میں مشغول رہے، اس کے بعد اپنے وطن آئے تو چونکہ ان کے والد بافندہ تھے اور بڑی تنگ حالی میں بسر ہوتی تھی اسلئے دوبارہ مکہ چلے گئے، اور وہاں سید مصطفیٰ بکری سے سلسلہ خلوتیہ میں مرید ہو گئے، پھر مین پہنچ کر علامہ ابن الجوزی کے ایک لائق شاگرد سے قرأت میں کمال حاصل، اور امام تہن کے دربار میں بڑا رسوخ پیدا کیا، اور انکی بڑی شہرت ہوئی، دور دور سے لوگ تحصیل قرأت کیلئے ان کے پاس آنے لگے، اس کے بعد ۱۱۹۹ھ میں غزہ آئے، وہاں وزیر حسین پاشا نے انکی بڑی قدر و منزلت کی،

۱۲۰۰ھ میں وفات پائی، مراوی نے لکھا ہے کہ ان کو ہر علم میں کافی دخل تھا، اور قرأت میں تو بڑے پایہ کے شخص تھے (سلک الدرر ص ۲۲۹)

یونس بن محمد بعلی

یونس بن محمد بن ایوب بعلی ابوالنون نساج، حجاز سے بنجاری دواہی کی ثلاثیات کا سماع کیا، اسماع (یعنی درس) حدیث کیساتھ اشتغال کیا، ان سے ابو حامد بن ظہیر نے حدیثیں مسنین ہونے کے بعد تک بقید حیات تھے، (دررکامہ ص ۳۴۴)

مولانا محمد یحییٰ سہرامی

غالباً دارالعلوم دیوبند میں تعلیم پائی تھی، اور مظاہر علوم میں اونچے درجہ کے مدرس تھے، بہت بڑے فاضل اور مناظر تھے، حضرت مولانا خلیل احمد محدث نے ایک ذمہ داریوں کے مقابلہ میں اپنی طرف سے ان کو پیش کیا تھا اور انھوں نے حضرت کی موجودگی میں مناظرہ کیا، سہارنپور کے بعد مدرسہ عالیہ کلکتہ میں نائب صدر تھے،

ایک بافندہ زادہ بلیغ شاعر

مولانا اعجاز علی مدرس دارالعلوم دیوبند نے اپنی کتاب نفحة العرب ص ۲۷ میں لکھا ہے کہ ایک بار حجاج نے حکم دیدیا تھا کہ عشار کے بعد جو آدمی سڑکوں پر چلتا ہو نظر آئے گا اسکی گردن مار دی جائیگی، اس حکم کے بعد تین بچے پڑے گئے۔ پہرہ داروں نے ان سے باز پرس کی تو تینوں نے دودھ شہر سنائے کہ پہرہ دار دھوکہ میں لگ گئے، اور ان کو حجاج کے سامنے پیش کیا، وہاں بھی ان تینوں نے اپنے وہی اشعار سنائے تیسرے لڑکے نے جو شعر سنائے تھے وہ یہ ہیں۔

انا مبین الذی خاص الصفوف بعزوه

وقومها بالسيف حتى استقامت

رکابا لا تنفک من جلادہ منہما

اذا الخیل فی یوم الکرمیۃ ولت

حجاج نے تحقیق کی تو معلوم ہوا وہ ایک بافندہ کا لڑکا ہے، حجاج ان لڑکوں کی فصاحت و بلاغت سے متکلف گیا اور حاضرین دربار سے خطاب کر کے کہا کہ تم لوگ بھی اپنے لڑکوں کو اسی طرح علم و ادب سکھاؤ، خدا کی قسم اگر ان لڑکوں میں فصاحت و بلاغت کا یہ جوہر نہ ہوتا تو میں ان کی گردنیں اٹا دیتا۔

آسومنو کے ایک صاحب دل حاکم

حضرت بنگی عبدالقدوس قدس سرہ الوار العیون میں لکھتے ہیں کہ ”آسومنو میں ایک بافندہ رہتے تھے، وہ شیخ ساد الدین رودرودی (فیلڈ سید اشرف بہا لکیر سمانی) کے مرید تھے لیکن کبھی کبھی شیخ العالم شیخ احمد عبدالحق رودرودی کی خانقاہ میں بھی آیا کرتے تھے ایک دن انھوں نے شیخ العالم سے عرض کیا کہ مخدوم! حضرت کی خانقاہ میں جو چیز دیکھتے ہیں وہ اپنے بزرگ کی خانقاہ میں نہیں دیکھتے، شیخ العالم نے فرمایا کہ درویشی اچھی چیز ہے، اور مولویت دوسری چیز ہے اس کے بعد وہ بافندہ صاحب شیخ العالم کے مرید ہو گئے اور شیخ العالم نے ان کو حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کرائی۔

بمن کے ایک بافندہ ولی

سید عبدالقادر عیدروس اپنی نامہ کتاب التور السافر ص ۲۵ مطبوعہ بغداد میں بعض حالات علامہ محقق و

شع میں وہ شخص ہوں جو اپنے عزم و حوصلہ سے معصوم میں کود پڑا، اور ان کو اپنی تلوار سے سیدھی کر دیا، یہاں تک کہ وہ سیدھی ہو گئی، جب میدان جنگ سے فوجیں پیٹھ پھیر لیتی ہیں اس وقت بھی اس کے قدم نہیں لڑکھڑاتے۔ (مسعود)

عارف مدقن، ولی کامل شیخ احمد بن علی مرزا جاجی حنفی تحریر فرماتے ہیں، کہ
 ایک دن کسی نے شیخ احمدؒ کو سے یہ بیان کیا کہ جناب کے پڑوس میں ایک بافندہ رہتے ہیں، جو طلعہ آفتاب کے بعد
 قرآن پاک پڑھنا شروع کرتے ہیں، اور ظہر کے بعد تک روزانہ سترے ختم کرتے ہیں، شیخ کے دل میں ان بافندہ
 کی بے حد عظمت پیدا ہوئی، فرمایا کہ (ولی و بزرگ و باخدا شخص) ہمارے پڑوس میں رہتا ہے اور ہم کو اطلاع نہیں ہے
 دوسرے دن بہت سویرے ان بافندہ کے گھر تشریف لے گئے، بافندہ صاحب اس وقت تانی درست کر رہے
 تھے، اتنے بڑے شیخ کو اپنے گھر آتا دیکھ کر بہت خوش ہوئے، نہایت خوشی اور تعظیم و اکرام سے شیخ کو مرعہ
 کہا، شیخ نے ان سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ روزانہ قرآن پاک کے اتنے ختم کر دالتے ہیں، بافندہ
 بزرگ نے جواب دیا کہ جی ہاں سناٹھ ختم ہو جاتے ہیں، شیخ نے پوچھا، ابھی آج شروع کیا ہے یا نہیں؟
 بافندہ بزرگ نے کہا کہ تانی درست کر کے ابھی بنے بیٹھا ہوں تو شروع کرتا ہوں، شیخ نے کہا میں چکا
 ہوں کہ آج ہم آپ دونوں ایک ساتھ شروع کریں، آپ کب تک سناٹھ پورا کریں گے؟ بافندہ بزرگ
 نے بتایا کہ فلاں وقت تک، اس کے بعد شیخ انتظار میں بیٹھے رہے، جب وہ تانی درست کر کے بننے
 بیٹھے اور قرآن پڑھنا شروع کیا، تو شیخ نے بھی شروع کیا اور شروع کر کے اپنے گھر چلے آئے پھر
 جب وہ وقت آیا جو بافندہ بزرگ نے بتایا تھا کہ اس وقت تک ختم کر لیتا ہوں، تو شیخ دوبارہ ان کے
 گھر آئے اور حال دریافت کیا تو بافندہ بزرگ نے فرمایا کہ آج تو جناب کی آمد کی برکت سے چھ ختم
 زیادہ کئے، شیخ نے کہا کہ اور میں نے سنا پورے کر لئے۔

سید عبدالقادر عیدروس اس واقعہ کو لکھ کر فرماتے ہیں کہ یہ کرامت ہی، وقت میں برکت ہونا کچھ مستبعد نہیں ہے،

بی بی فاطمہ سپید باف

سنام میں ایک بیوہ عورت تھیں ان کا نام بی بی فاطمہ تھا، حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ
 الوداعیوں میں فرماتے ہیں۔

اں عورت پیران داشت کہ کسب سپید بافی می کردند و اں | ان بی بی کے لڑکے تھے جو سپید بافی کا کام کرتے تھے اور وہ
 عورت مشغول کحت می بودے واللہ اذ اولیٰ کحت بود۔ | مشغول کحت رہتی تھیں خدا کی قسم کہ وہ ولی تھیں۔

شیخ فرماتے ہیں کہ شیخ العالم شیخ احمد عبدالحق رودلووی کو بیٹے کی طرحت مانتی تھیں اور شیخ العالم مرید بونیکے بعد انھیں کے گھر رہتے تھے، خود شیخ العالم کا بیان ہے کہ رات کو تہجد اور عبادت کیلئے اٹھنے میں میں ان کو کبھی سبقت نہ پاسکا، میں جس وقت بھی اٹھا اور چاہتا تھا کہ انکو کوئی زحمت نہ ہو تو دیکھتا تھا کہ وہ بیٹھی ہوئی ذکر الہی میں مشغول ہیں اور مجھے دیکھتے ہی فرماتی تھیں کہ گرم پانی موجود ہے، ٹھنڈے پانی سے وضو نہ کرنا، شیخ فرماتے تھے کہ وہ ایسی پارسا عورت تھیں کہ مردوں کو بھی انھوں نے شرمادیا تھا (انوار العیون مصنف شیخ عبدالحق)

بی بی زینا

سلطان المشائخ حضرت نظام الدین اولیاء کی والدہ محترمہ تھیں، نہایت خدا رسیدہ اور دلچہ کاملہ تھیں، فوائد الفوائد اور اخبار الاخیار میں آپ کے حالات و کرامات کی تفصیل مذکور ہے، آپ کی بابت لکھا کہ واقعہ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی زیارتی سننے:

| | |
|---|--|
| جوں شیخ نظام الدین اولیاء قدس سرہ | جب شیخ نظام الدین اولیاء تحصیل علم سے فارغ ہوئے تو ان کی والدہ نے اپنے ہاتھ سے سوت کا تار اور دستارے ازاں بافیدہ و طعائے ترتیب داد و علماء و مشائخ شہر را دعوت کر دے شیخ نظام الدین دستار برکت درست مبارک کر دہ در مجلس درآمد و پیش شیخ علی نہاد شیخ علی یک سر دستار برت خود گرفت و دوم سر برت شیخ نظام الدین داد و آں دستار کرامت بر سر برت و سر و قدم خواجہ علی نہاد و خواجہ علی اور ا و عا کر و حق تعالیٰ ترا علمائے دین گرداند و نہتہائے ہمت برساند۔ |
| ہوئے تو ان کی والدہ نے اپنے ہاتھ سے سوت کا تار اور دستارے ازاں بافیدہ و طعائے ترتیب داد و علماء و مشائخ شہر را دعوت کر دے شیخ نظام الدین دستار برکت درست مبارک کر دہ در مجلس درآمد و پیش شیخ علی نہاد شیخ علی یک سر دستار برت خود گرفت و دوم سر برت شیخ نظام الدین داد و آں دستار کرامت بر سر برت و سر و قدم خواجہ علی نہاد و خواجہ علی اور ا و عا کر و حق تعالیٰ ترا علمائے دین گرداند و نہتہائے ہمت برساند۔ | اس سے ایک بگڑی بنکر تیار کی، اور کھانا پکوا کر (بڑیوں کے علماء و مشائخ کی دعوت کی، شیخ نظام الدین تحصیل پر بگڑی رکھے ہوئے مجلس میں آئے، اور شیخ علی کے آگے رکھ دی، شیخ علی نے بگڑی کا ایک سرا اپنے ہاتھ میں لیا اور دوسرا شیخ نظام الدین کو دیا، انھوں نے وہ دستار کرامت سر پر باندھی، اور خواجہ علی کے قدموں میں سر ڈال دیا خواجہ علی نے ان کو دعا دی کہ حق تعالیٰ تم کو علما دین میں سے بنائے، اور ختم ہائے ہمت کو پہنچائے۔ |

(اخبار الاخیار ص ۷۷)

فائدہ یہاں یہ بتادینا بھی خالی از قائدہ نہیں ہے کہ یہ خواجہ علی جن کے قدموں میں سلطان المشائخ

نے باوجود شرف سیادت و پیرزادگی اپنا سر ڈالا تھا، ڈاکو اور قوم کے شیر فروش (امیر یا گوالا) تھے،
حضرت شیخ جلال الدین تبریزی کی نظر کیمیا، خرمے مسلمان ہوئے اور ایک لاکھ چنیل شیخ کی غذا کیا، شیخ نے
ان کا نام علی رکھا، جب تک شیخ بدایوں میں رہے انکی خدمت کرتے رہے جب لکھنؤ کی طرف روانہ ہوئے
تو خواجہ علی بھی ساتھ ہوئے، لیکن شیخ نے یہ کہہ کر انکو واپس کر دیا کہ بدایوں کو تمہاری پناہ میں چھوڑنا
ہوں راخبار (اختیار ص ۲۳۵) وقوائد القواد

زینب بنت الباعونی

نجم غازی نے ان کو الفاضلۃ الباریۃ لکھا ہو یعنی فائزۃ فاضلہ، یہ سید احمد نقیب الاشراف کے
صاحبزادہ عبدالوہاب کی والدہ تھیں، عبدالوہاب کا تذکرہ کوآکب ص ۲۵۱ میں ملاحظہ کیا جائے۔
زینب، ناصر باعونی (حاکم) کی اولاد میں ہیں، ناصر کے حاکم ہونیکا ثبوت احمد بن ناصر کے
حال میں دیکھو۔

عائشہ باعونیہ

ان کا ذکر غازی نے کوآکب میں اور ابن العمد نے شذرات الذہب میں کیا ہے، یہ یوسف
ابن احمد بن ناصر کی صاحبزادی تھیں۔

تنبیہات و توضیحات

(۱) قزین ص ۲۵ اس لفظ کے معنی ہیں قز سے تیار کیا ہوا کپڑا اور قز کو غیات اللغات میں کثر
کا معرب بنایا گیا ہے اور قز کم قیمت کچے ابریشم کی ایک قسم ہے، قزین کو قز اگند بھی کہتے ہیں
حاشیہ طبقات الصوفیہ از امالی شیخ الاسلام خواجہ عبداللہ انصاری مطبوعہ کابل میں لفظ

لے عام طور پر سلطان جی کا سید ہونا مشہور ہے، اگرچہ اس کے خلاف بھی کتابوں میں مذکور ہے، شیخ ملا جامی
نے نفحات الانس میں اور خواجہ محمد ہاشم کشمی نے زبدۃ المقامات میں آپ کو خالوی لکھا ہے۔

خز کو بھی قز کا ہم معنی بتایا گیا ہے۔

(۲) عمری - اس لفظ کی ایک تشریح ہم نے ص ۸۴ میں کی ہے دوسری تشریح تبصیر المقتبہ کے حواشی میں یہ کی گئی ہے کہ عمر نام کی ایک طرح کی کھجور ہوتی ہے، اور کسی نے کہا کہ کھجور کے درختوں کی ایک قسم ہے، بعض لغویوں نے اس کا تلفظ عمر اور عمر بھی بتایا ہے اور اس بنیاد پر محشی نے اسی قسم کی کھجوروں یا کھجور کے درختوں کے نیچے والے کو عمری قرار دیا ہے مگر یہ ہمارے نزدیک بعید از قیاس ہے اور اس کی تیسری تفسیر ڈاکٹر مصطفیٰ جواد نے یہ کی ہے کہ عمر عمرہ کی جمع ہے یعنی وہ عمرہ جو حج کا قرن ہے ان کا کہنا ہے کہ جس عالم کے بارے میں یہ کہا گیا ہے۔ (کان یکتب العمر ویبیمہا) تو شاید اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ عمر کی کیفیت یعنی طریقہ ان لوگوں کو جو اس کا طریقہ نہیں جانتے تھے لکھ کر دیا کرتے تھے اور اس کی کچھ قیمت یا کرتے تھے۔ (کیوں کہ) دوسرا کوئی ذریعہ معاش نہ تھا دیکھئے (المختصر المحتاج الیہ حصہ سوم حاشیہ ص ۲)۔

عبد الرحمن دمشقی نساج

عبد الرحمن بن عمرو کا ذکر حافظ منذری نے بھی مکمل میں کیا ہے مگر اس میں عمرو کے بجائے عمر ہے، لکھا ہے شیخ صالح بن عبد الرحمن بن عمر بن عبد الرحمن ابی منصور دمشقی نساج (بافذہ) نے، ۶۳۳ھ کو دمشق میں وفات پائی۔ حافظ ابوالقاسم علی بن الحسن (ابن عساکر) وغیرہ سے حدیثوں کی روایت کی، ہم کو ان سے اجازت حاصل ہے، اجازت نامہ کئی بار دمشق سے لکھ کر آیا، ایک اجازت نامہ کی تاریخ ۶۲۹ھ ہے۔ (مکملہ ص ۱۵۶) ان کا ذکر حافظ ذہبی کی تاریخ الاسلام میں بھی ہے۔

دیگر نساج حضرات

۱۔ حافظ منذری کے ایک شیخ اجازت، اور حافظ ابوطاہر اصبہانی کے شاگرد احمد بن عمر بغدادی تھے، قاہرہ کے رہنے والے تھے، اپنے اموں عبد اللہ بن عبد الصمد سے حدیثوں کی روایت کرتے تھے، منذری نے ان کو شیخ صالح اور نساج لکھا ہے۔ (مکملہ ص ۱۵۶) ان کی وفات ۳۱۲ھ میں ہوئی۔

۲۔ ابو منصور مقرب بن حسین نساج حافظ منذری نے ابوالفتح بردوانی محدث کے مشائخ حدیث میں ان کا نام لیا ہے (مکملہ ص ۱۵۶) شیخ ابوالریح سلیمان بن داؤد بغدادی، حربی نساج کا ذکر حافظ منذری نے اپنی کتاب التکلم میں کیا ہے اور کہا ہے کہ ان کی ولادت تخمیناً ۵۵۵ھ میں ہوئی۔ انھوں نے ابو الحسن بن نفو با سے حدیث کی سماعت کی پھر حدیثیں بیان کیں اور سنائیں ہم کو کبھی ان سے اجازت حدیث حاصل ہے، بغداد سے اجازت نامہ لکھ کر انھوں نے ہمارے پاس بھیجا ہے، ان کی وفات بغداد میں ۳۲۳ھ میں ہوئی، باب حرب میں مدفون ہوئے ان کا ذکر حافظ ذہبی نے بھی تاریخ الاسلام میں کیا ہے۔ (مکملہ ص ۱۵۶)

شیخ ابواسحاق ابراہیم بن محمد بغدادی حربی نساج، ان کے دادا برہان کے لقب سے مشہور تھے، ابو محمد وراق سے سماعت حدیث حاصل تھا، محدث تھے ان سے لوگوں نے حدیثیں سنیں، حافظ منذری کو بھی انھوں نے تحریری اجازت نامہ دیا تھا، ان کی وفات ۳۲۹ھ میں ہوئی۔ (مکملہ ص ۲۲) حافظ ذہبی نے بھی ان کا ذکر تاریخ الاسلام میں کیا ہے۔

ضمیمہ

دنیا میں پارچہ بانی کے مرکز
از

محدث جلیل مولانا حبیب الرحمن الاعظمی

دنیا میں پارچہ بانی کے مرکز

جو حضرات تاریخی و جغرافیائی حالات میں شغف رکھتے ہیں ان کی دلچسپی کیلئے میں اس فصل کا اضافہ کرتا ہوں اور اس میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ اسلام کے بعد دنیا کے کس کس شہر یا جگہ نے پارچہ بانی کے لحاظ سے ناموری حاصل کی ہے اور اسی سے پارچہ بانوں کی کثرت تعداد کا بھی کچھ اندازہ لگایا جاسکے گا۔

مدینہ منورہ

عام طور پر سمجھا جاتا ہے کہ عہد نبوی میں شاید پارچہ بانی نہیں ہوتی تھی۔ لیکن یہ خیال غلط ہے، احادیث و سیر سے ثابت ہوتا ہے کہ مدینہ منورہ میں متعدد گھرانوں میں یہ کام ہوتا تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری ص ۲۸۱ میں ایک انصاری خاتون کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک کپڑا پیش کرنے کے یہ کہنا مذکور ہے کہ انی نسجت هذا بیدی (میں نے اس کو اپنے ہاتھ سے بنا ہے)

مجمع الزوائد ص ۲۷۸ بحوالہ مسند امام احمد بن حنبلہ ص ۱۷۱ مروی ہے خود سرکار رسالت کا ارشاد مروی ہے کہ مدینہ کی ایک خاتون اپنی دس بچیاں اور بننے کا ایک اوزار گھر میں چھوڑ کر مسلمانوں کے ایک لشکر کے ساتھ لڑائی میں چلی گئیں، جب واپس آئیں تو دیکھا کہ ایک بچی اور بننے کا وہ اوزار غائب ہے، انھوں نے خدا کی بارگاہ میں بالحاج و زاری یہ عرض کی کہ خداوند اتونے اپنی راہ میں جہاد کرنے والے سے اس کی پسماندہ چیزوں کی نگرانی و حفاظت کا وعدہ کیا ہے اور میری تو بچی اور میرا اوزار گم ہو گیا۔ سرکار فرماتے ہیں کہ صبح ہوئی تو وہ دیکھتی ہیں ایک کی جگہ دو بچیاں اور دو اوزار خدا نے ان کو واپس دے دیئے ہیں۔ روایت کا لفظ یہ ہے۔ وصیصتها الہی تنسج بها (وہ اوزار جس سے وہ بنتی تھیں)۔

کنز العمال وغیرہ میں ہے کہ حضرت ابوذر غفاریؓ کی وفات ایک ایسے مقام میں ہوئی جہاں آبادی نہیں تھی۔ مرنے کا وقت آیا تو ان کی بی بی کو فکرت تھی کہ کفن کے لئے کوئی کپڑا نہیں ہے اتنے میں ایک تافلہ کا ادھر سے گزر رہا اس میں ایک انصاری جوان تھے انھوں نے کہا کہ فکرمند ہونے کی بات نہیں ہے میرے

پاس دو کپڑے موجود ہیں جس کا سوت میری ماں نے کاٹا ہے اور اسی نے ان کو بنا بھی ہے چنانچہ حضرت ابو ذر انھیں کپڑوں میں کفنائے گئے۔ اور اسی انصاری جو ان نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ان کو دفنایا، مستدرک میں ہے کہ قافلہ والے کل یمنی تھے (کنز العمال ص ۱۶۱ مستدرک ص ۳۲۶) معلوم ہونا چاہئے کہ مدینہ کے تمام انصاری یمنی الاصل ہیں اور یمنی لوگ عام طور پر بننے کا کاروبار کرتے تھے جیسا کہ ابھی معلوم ہوگا۔

معارج النبوه ص ۱۱۱ میں حضرت ابویوب انصاریؓ کا بیان ہے کہ من مرد ضعیف و بافندہ ام ریں کمزور مرد اور پارچہ باف ہوں (فدک (جو خیبر میں واقع ہے) میں کپڑے بنتے تھے) احادیث میں قیظہ مذکیہ کا ذکر موجود ہے (دیکھو) عرب میں عام ازیں کہ مدینہ ہو یا کوئی دوسری جگہ پارچہ بافی کے عام رواج ہونے کا بڑا زبردست ثبوت عربی لٹریچر ہے۔ عربی زبان میں پارچہ بافی کے تمام لوازم کے خالص عربی نام موجود ہیں۔ تفصیل کے لئے آٹوسی کی کتاب بلوغ العرب کا مطالعہ کرنا چاہئے۔ عربی شعراء کے کلام میں بکثرت ایسی تشبیہات اور ایسے استعارات پائے جاتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اس صنعت کا وہاں بڑا کافی رواج تھا، شماخ کہتے ہیں

قویرح اعوام کان لسانہ اذا صاح حلوزل عن ظہر

اور درید بن صمد کہتا ہے

کوقع الصیاصی فی النسیج المدد

فجئت الیہ والراح تنوشہ

اور ذوالرمہ کہتا ہے

کنجہ الیمانی بردہ بالوشائع

بہ ملعب من معصفات لجنہ

یمن

یمن (عرب کا صوبہ) پارچہ بافی کا بہت بڑا مرکز ہے، عرب میں عموماً یمن ہی کا کپڑا استعمال ہوتا تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت یمن ہی کا کپڑا پہنتے تھے، یمن کی بنی ہوئی جبرہ نامی دھاری دار چادر آپ کو بہت مرغوب تھی۔ صبح بخاری ص ۲۲۱ میں ابو بردہ اشعری کا بیان مذکور ہے کہ ایک دن حضرت عائشہؓ نے ایک مٹے قسم کا تہمد رنگی (جو یمن میں بنا جاتا ہے، نکال کر دکھایا اور فرمایا کہ

اسی کو پہننے ہوئے سرکار نے دنیا کو خیر باد کہا تھا۔ - صحیح بخاری ۱۹۹۱ میں یہ بھی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کفن دیا گیا تھا وہ سحول کا بنا ہوا تھا (سحول یمن کا ایک قصبہ ہے جہاں سفید کپڑے تیار ہوتے تھے۔ - رحاشیہ بخاری)

احادیث میں معافری کپڑوں کا بار بار ذکر آیا ہے، خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کپڑے استعمال بھی فرمائے ہیں (نہایہ) یہ معافرجس کی طرف یہ کپڑے منسوب ہیں یمن ہی کا ایک قبیلہ ہے۔ (نہایہ وغیرہ) اور وہ ہمدان کی ایک شاخ ہے (قاموس) یہی قبیلہ یہ کپڑے بناتا تھا (مجمع الزوائد ص ۵۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یمن کے غیر مسلموں پر جزیہ مقرر کیا تو حضرت معاذ سے فرمایا کہ ہر باغ آدمی سے ایک دینار یا ایک دینار کا معافری کپڑا وصول کرو (ترمذی ص ۱۱۷) یمن پارچہ بانی کے لئے اتنا مشہور اور یمنی لوگ اس صنعت میں اتنے معروف تھے کہ ایک عربی شاعر اپنے ممدوح کی مدح میں لکھتا ہے

اذا انظر السود الیمانیون حادوا
له انسج بریدیہ ارقوا وادسعوا
یعنی جب یمن کی سیاہ قوم ممدوح کے لئے اس کے جوڑے بننے کا ارادہ کرتی ہے تو باریک اور کشادہ بنتی ہے۔ (کتاب البیان والتبیین لمجاہظ ص ۱۴۹)
ذوالرمہ کا شعر بھی اوپر آپ پڑھ چکے ہیں۔

قدّم ایک قبیلہ ہے اور اسی قبیلہ کے نام سے یمن میں ایک خطہ بھی ہے۔ قدّمی کپڑے اسی قبیلہ کی طرف منسوب ہیں۔ (مجمع ص ۲)

قبیلہ کذہ اور قبیلہ اشعر دونوں یمنی قبیلے ہیں، اور دونوں جیاکت (پارچہ بانی) میں بننا ہیں۔ عدن یمن ہی کا ایک شہر ہے، وہاں کا ہمد (نگی) مشہور ہے، حضرت عثمان غنیؓ نے ازار پہنتے تھے۔ (مجمع الزوائد ص ۵۸) یمن میں ایک جگہ سدیر ہے وہاں چادریں بنتی ہیں (قاموس)
یمنی چادروں میں ایک چادر سیدی کہلاتی ہے جو یمن کے کسی شخص یا جگہ کی طرف منسوب ہے (قاموس) تزید بن طلوان کی نسبت سے ایک چادر کا نام تزیدی ہے، غالباً یہ تزید بھی یمنی شخص ہے۔ (قاموس) ابوتام اپنے قصیدہ کی تعریف میں

کشفیت البرد المسهم وشيها
فی اراض مہرکا ابدلاد تزید

بلاد تزیید کی طرح ارض ہمرہ بھی نواحی یمن میں ہے۔ ثعالبی کہتے ہیں کہ یمن کی چادروں کی طرح تزیید کی چادریں بھی ضرب المثل، اور عرب لوگ عمدہ بیش بہا چادروں کو تزیید کی طرف منسوب کرتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ تزیید ایک قبیلہ ہے، صائب بن عباد کہتا ہے۔ تزیید علی ابراہام تزیید (مت) اب معلوم ہوا کہ تزیید قضاعہ کی شاخ ہے اور حضرموت جزیرہ (میسور ٹامیا) میں واقع تھا ان کا مرکزی شہر تھا (معجم البلدان ص ۹۱) بحر ان بھی یمن میں واقع ہے اور سنہ ۱۱۱۱ میں فتح ہوا ہے (قاموس) بحر ان کے لوگوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے جن شرائط صلح کی تھی، ان میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ بحر انی لوگ دو ہزار جوڑے سال میں ادا کیا کریں گے، ہر جوڑا چالیس درم کی قیمت کا ہو گا۔ (فتوح البلدان ص ۱۵۰) بحرانی لوگ خلفائے عباسیہ کے عہد تک برابر کپڑے دیتے رہے۔ (فتوح البلدان ص ۱۵۰) حتیٰ کہ جب بحر ان سے کوفہ کی طرف جلا وطن ہو گئے جب بھی یہی معمول رہا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بحر ان کی چادر بھی اوڑھ لی ہے۔ (بخاری ص ۱۰۰)

بشاری لکھتا ہے یمن عصاب کی کان ہے (ص ۹۰) اور ہمدانی نے لکھا ہے کہ حرازہ، صحرارہ عراز، مدینہ اور یرداد وغیرہ بہت سے مواضع ہیں جہاں قبیلہ معافر کے لوگ آباد ہیں اور یہ سب معافر بن یعفر کی اولاد سے اور قبیلہ حمیر کی شاخ ہیں، حرازہ ہی میں منقش اور بوٹے دار چادریں بنتی ہیں (صفہ جزیرۃ العرب ص ۹۹) نہایت یہ کہ یمن میں عصب نامی چادریں بنتی ہیں ان کے سوت کو باندھ کر رنگتے اس کے بعد بنتے ہیں تو کپڑا موشی (جس کو آج کل چٹکی دار کہتے ہیں) ہو جاتا ہے، یمن کی ایک چادر یمنہ کہلاتی تھی، بحرانی شاعر کہتا ہے

جئناٹ محصل الفاظاً مدیحتاً کانما وشیما من یمنۃ الیمن (ثمار القلوب ص ۲۲)

ثعالبی نے لکھا ہے کہ یمن کی مشہور چیزوں میں وہاں کی چادریں ہیں، پھر لکھا ہے کہ رتیاں بہترین پوشاکیں یمن کی چادریں، شام کا ریطہ ایک قسم کی چادر، مصر کی زدار، دامن کا کسا، آرمینیہ کے ازار بند اور قرظین کے پاتا ہے ہیں (ثمار القلوب ص ۲۲) ثعالبی نے یہ بھی لکھا ہے کہ جس طرح یونان کے حکیم اور چین کے اہل ہنر مشہور ہیں اسی طرح یمن کے باندہ مشہور ہیں (ثمار القلوب ص ۱۹۱) خلیفہ عباسی مہدی کے دربار میں ایک یمنی شخص نے اپنے مفاخر بیان کئے، اس کے بعد خالد بن صفوان نے اس کا جواب دیا تو خالد نے یمنیوں پر باندگی کا آوازہ کسا (عقد فرید، ابن ابی الحدید ص ۹۹)

نمارالغلوب ص ۲۲۸)

عبدالملک بن مروان (اموی خلیفہ) نے ایک بار دریافت کیا کہ سب سے عمدہ رومال کون سا ہوتا ہے تو ایک نے کہا کہ یمن کے رومال ایسے ہوتے ہیں جیسے فصل ربیع کے پھول، دوسرے نے کہا کہ اور مصر کے رومال ایسے ہوتے ہیں جیسے اندڑے کا چھلکا۔ (نمارالغلوب ص ۱۴۲)

یمن کی ایک چادر حلاہ افواف کے نام سے مشہور ہے (نہایہ) اور اس کا ذکر حدیث میں آیا ہے۔
دثام قبیلہ حمیر کی ایک بستی ہے (قاموس) حموی نے لکھا ہے کہ رثام ایک موضع ہے جہاں وحشی (منقش کپڑے) بنے جاتے ہیں (معجم البلدان ص ۲۲۳) حموی کا بیان ہے کہ عربی عورت جو کپڑا بنیتی تھی اس نے اپنے تھان کی تعریف میں کہا ہے۔

لشفتی اعظم من بطن السمۃ لا تستطیع مثلها بنت امہ

الاکعاب طفلة مقومة (معجم البلدان ص ۲۹۲)

ریدۃ یمن میں منار سے ایک دن کی مسافت پر ایک شہر ہے وہاں کے لوگ وحشی بنتے تھے۔ طرفہ کہتا ہے۔

وبالفتح آیات کان ماسومها یمان وشتہ سایدۃ و سحول

حموی نے کہا مراد اہل ریدۃ و اہل سحول ہے۔ (معجم ص ۲۴۸) اور ابوطالب کا شعر ہے۔

فیصبح ال اللہ بیضاً کانہا کستھم جو سایدۃ و معافرا

ان اشارے صاف ظاہر ہے کہ قبیلہ معافر، اہل سحول اور اہل ریدہ سب باقذے تھے، ہمدانی کے بیان کے مطابق ریدہ میں ہمدانی لوگ آباد تھے۔ (معجم ص ۲۴۹)

ثمداریہ عامہ میں واقع ہے، اس کی طرف حمید بن ثمر ہلالی شاعر نے چاؤوں کی نسبت کی ہے۔ (معجم ص ۳۱۱)

عراق

بصرہ کاٹری اور سوئی کپڑا، چادریں اور ازار مشہور ہیں ابلہ میں کتان کے بہت اونچے کپڑے، کوفہ میں ٹسر کے عمامے نہایت عمدہ اور بغداد میں ریشم وغیرہ کے کپڑے نیز

عبادانی، سامان، ازار، اور یکانکی عمارت نہایت عمدہ بنتے ہیں، کوذ کے ٹسری عمارتوں کی نسبت بشاری لکھتا ہے کہ اس کی نظیر دنیا میں نہیں ہوتی اس کو سکب کہتے ہیں نغانیہ میں ادنی چادر اور صوف کے علی عمدہ کپڑے بنتے ہیں، قصری رومال بویسی اور واسطی پردے بہت ہی مشہور ہیں، قصر ہیرہ میں نہایت کثرت سے پارچہ بان آباد تھے۔ (سفرنامہ بشاری ص ۱۳۱)
 بغداد سے چالیس میل پر باقدار ایک گاؤں ہے وہاں روئی کے موٹے ٹھوس کپڑے بنتے ہیں اور بغداد میں وہ ضرب المثل ہیں۔ (معجم ص ۲۳۲)

بغداد میں دار القز اور دار القطن کے نام سے دو محلے آباد تھے، جن کے نام ہی بناتے ہیں کہ اول میں ریشمی اور ثانی میں سوتی کپڑے تیار ہوتے ہیں۔

حموی نے لکھا ہے کہ نواحی کوذ میں نرس نامی ایک نہر ہے اس پر کئی گاؤں آباد ہیں، اسی کی نسبت سے نرسی نام کی ایک قوم اور نرسی کپڑے مشہور ہیں۔ (معجم ص ۲۴۹)
 بادریا بغداد کے درمیان ایک شہر ہے اور بند نیجس کے قریب باکسیا ایک جگہ ہے کہتے ہیں کہ قباد نے جب اپنے ملک آباد کیا ہے تو ان جگہوں میں بافندوں اور پچھنا لگانے والوں کو لا کر آباد کیا۔ (معجم ص ۲۵۷)

بغداد ایک محلہ التستریون ہے اس میں تستر کے لوگ آباد ہیں اور وہاں تستری کپڑے بنتے ہیں۔ (معجم ص ۲۸۹) ظن غالب ہے کہ حموی نے اس محلہ کے جن لوگوں کے نام لکھے ہیں وہ سب بافندہ ہیں۔

جزیرہ ویسوپوٹامیا

آمد سے اون اور کتان کے صقلی ساخت کے کپڑے باہر جاتے تھے (بشاری ص ۱۴۵)
 طلیہ میں بارہ ہزار بننے کے کارخانے تھے (خریدۃ العجائب ص ۴۲)
 ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ مار دین یاس اون کے کپڑے بنتے ہیں جس کو مرعز کہتے ہیں۔
 (ابن بطوطہ ص ۱۵) آج بھی موصل میں بننے کے کارخانے ہیں اور وہاں کے سب سے بڑے عالم پہلے بافندہ ہی تھے۔ (دیکھو دیار عرب ص ۱۵)

عراق عجم، فارس اور بخارا وغیرہ

بشاری لکھتا ہے کہ قائن کی عام آبادی پارچہ بان ہے توں میں بھی زیادہ تر پارچہ بان ہی آباد ہیں اور بڑی آباد جگہ ہے، توں میں علماء اور اکابر بھی ہیں، قائن سے بہت کپڑا باہر جاتا ہے، زوزن بھی بڑا آباد شہر ہے اور پارچہ بانوں کی یہاں بھی بڑی کثرت ہے، باخزر اور ازادوار سے بہت کپڑا دوسرے ملکوں کو جاتا ہے۔ بیہق میں دو شہر ہیں اور اس کے ساتھ بہت سے قصبے ملحق ہیں، وہاں سے کپڑا باہر جاتا ہے، دستوا کا بھی یہی حال ہے۔

نیشاپور سے سفید خفی کپڑے، بیان، شہبانی عملے، راختہ، تانہ، مقنع، لمم، معصت، عقابی، سعیدی، نظرائفی، شملی، حلقے اور سوت یا بال کے دوسرے اونچے کپڑے نسا اور ابیورد سے ریشم کے کپڑے اور زنبفت، نیرنسانے نیبوزی اور اس کے دیہات سے موٹے بھدے کپڑے نہایت کثرت سے دور دور جاتے ہیں۔ ثعابی لکھتا ہے کہ نیشاپور کی منوس

عہ ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ نیشاپور میں نخ اور کناد وغیرہ کے ریشمی کپڑے بننے ہیں اور ہندوستان جاتے ہیں۔ (ص ۲۵۲) سنہرے ریشم کو نخ کہتے ہیں (ابن بطوطہ ص ۱۹۲) اور کنکا کی نسبت لکھتا ہے کہ ریشمی کپڑے ہوتے ہیں جو بغداد تبریز، نیشاپور اور چین میں بنے ہیں (ص ۱۹۲)

لے ثعابی نے لکھا ہے کہ خراسان سے جو بہت گت اور عمدہ بناوٹ کا کپڑا عرب جاتا تھا، اس کو عرب لوگ مردی کہتے تھے، اور جو ہلکا اور باریک ہوتا تھا اس کو شاہجانی کہتے تھے۔ (نمار القلوب ص ۴۲) تانہ ریشمی قماش (غیاث) سے مقنع جس کپڑے سے عورت سر چھپاتی ہے، اوڑھنی یا درپٹہ (تاموس) سے لمم ایک قسم کا ریشمی کپڑا جو نہایت ظالم ہوتا ہے (غیاث) سے معصت کی نسبت تاموس میں لکھا ہے کہ ایک رنگ کا کپڑا جس میں دوسرا کوئی رنگ نہ ہو، اور نہایت سبک ہے کہ خالص ریشمی جس میں کوئی دوسری چیز نہ ہو۔

نہ عقابی، قارا کی ایک قسم ہے اور قارا ریشمی کپڑا صوف کی طرح موجدارا ہوتا ہے (غیاث)

چیزوں میں وہاں کا تاختہ، راختہ، مصمت اور جھنی کپڑا ہے۔ باقی مٹے، ثعالبی اور سقلاطون^۱ میں نیشاپور کے ہم پلہ بغداد اور اصبہان بھی ہیں۔ ثعالبی کہتا ہے کہ شہر ساہری کپڑا بھی درحقیقت نیشاپور ہی کی طرف منسوب ہے۔ ہرات سے سوتی کپڑے اور معمولی دیبا۔ مرو سے قم اور ریشم کے مقنع۔ قوہستان سے نیشاپور کی طرح کے کپڑے اور مصلے۔ بلخ سے جربانی سانت کے دقابات، چادریں اور مٹے، غرغ اشار سے عمدہ قسم کے فرش، بخارا سے نرم کپڑے، مصلے، فرش اور اشمونی کپڑے، کریمینہ سے رومال، دبلوسیہ اور دزار سے دزاری کپڑے مصمت کے رنگ کے جن کا نام بعض شاہان بغداد نے خراسان کا دیبا رکھا تھا، راجن سے جاڑوں کے ازار اور مصلے، خوارزم سے کیمخت، بلغار سے چادریں، فرش، لحاف کے کپڑے دیباے پیشکش اور آرنج کے کپڑے، سمرقند سے سیمگوں اور سمرقندی کپڑے، وزک اور نبالکٹ سے ترکستانی کپڑے، شاش سے کیمخت کی زمیں ازار، مصلے اور بنیقات، طوس سے خوبصورت ازار بند اور عمدہ چادریں، فرغانہ اور اسبجباب سے سفید کپڑے دوسرے ممالک کو جاتے ہیں نیشاپور کے دیواج اور طراز اور شہبانی کی نظیر دنیا میں نہیں ہوتی، اسی طرح شاش کے عفنائے بھی بے مثل ہوتے ہیں۔

سمرقند سے دیبا بھی ترک کو جاتا ہے اور وہاں ایک سرخ کپڑا بنتا ہے جس کو عمرجل کہتے ہیں وہاں کے ایک کپڑے کا نام سینیزی بھی ہے۔

آمل طبرستان کا پایہ تخت ہے یہاں نہایت عجیب اور عمدہ کپڑے تیار ہوتے ہیں، تجارت

۱۔ سقلاطون دوم میں ایک شہر ہے، اس کی طرف کپڑوں کی نسبت ہوتی ہے (قاموس) ۲۔ ساہری باریکہ نرم و نازک کپڑے کو کہتے ہیں۔ (ثعالبی) ۱۲ منہ

۳۔ ثعالبی لکھتا ہے کہ ہرات کے سوتی کپڑے اور مبرم اور دیبا ساری دنیا میں جلتے ہیں (نمار القلوب ص ۴۱) مبرم ایک کپڑا ہوتا ہے جس کا دھاگا دوہرا ہوتا ہے (حاشیہ نمار القلوب) ۴۔ ثعالبی لکھتا ہے کہ مرو کی خصوصیات میں سے وہاں کا لحم ہے ۱۲ منہ ۵۔ کیمخت گورخروغیرہ کا چمڑا جس کو دائرہ دار بنا کر زنگاری رنگ لیتے ہیں اور برسات کے زمانے میں اس کی جوتیاں پہنتے ہیں (سیدی) کیمخت کا ذکر یہاں پر بالمشجہ کر دیا گیا ہے ورنہ وہ کپڑا نہیں ہے۔

کی بہت بڑی منڈی ہے، یہاں کے پارچہ بان نہایت ماہر اور ان کی بڑی شہرت ہے اور وہ سب تجارت کرتے ہیں۔ (بشاری ص ۲۵۹)

سالوس میں قلعہ ہے، یہاں علم کا بڑا چرچا ہے، اور بہت بیش قیمت کپڑے بنتے ہیں، استر آباد کی آب و ہوا بہت عمدہ ہے، یہاں کے باشندے عام طور پر ریشمی کپڑے بننے والے پارچہ بان ہیں اور اعلیٰ درجہ کے ماہر ہیں۔ (بشاری ص ۲۵۸)

تومس میں چھوٹے بڑے سوئی منقش اور سادے سفید رومال بنتے ہیں، بعض بعض رومال دو ہزار درہم کو بکتے ہیں، اونی چادریں، طیلان اور اون کے باریک کپڑے بھی یہاں بنتے ہیں۔ جرجان کے لوگ ریشمی مقنع بناتے ہیں جو یمن جاتے ہیں۔ معمولی دیبا بھی بنتا ہے، طبرستان میں اونی چادریں بنتی ہیں جو فارسی ہے اچھی ہوتی ہیں۔ طیلان بھی بنتا ہے، یہاں کے غیشی کپڑے ساری دنیا میں جاتے ہیں، مکہ میں یہاں کا غیش بکرت بکتا ہے، لفائف بھی بنتے ہیں۔ میسار میں بھی کپڑے بنائے جاتے ہیں دار زنجی والے اونی کپڑے بنتے ہیں۔

آرمینا سے بہت اونچی قسم کے پردے اور زلاقی (فرش کے) کپڑے بنگر باہر جاتے ہیں ثنائی نے لکھا ہے کہ آرمینا کے خراج میں ہر سال آرمینی فرش بڑی تعداد میں، اور تیس عدد محفوری بسا اور پانچ سو سیٹھ کوٹے (سکھان؟) رقم (ایک دھاری دار بونی دار ریشمی کپڑا ہوتا ہے، قاموس) کے بادشاہ کے پاس بھیجے جاتے تھے (تھار اقلوب ص ۲۲۸) ثنائی نے یہ بھی لکھا ہے کہ آرمینا کے فرش نہایت قیمتی فرش میں شمار کیے جاتے ہیں، جس طرح قالیق (یا قالیقلا) کے زلاقی اور ملیسان کے مطارج اور بغداد کا حصیر اور نصیبین کے پردے بیش بہا سمجھے جاتے ہیں۔ (تھار اقلوب ص ۲۲۸)

برنوخ سے ریشم اور پردے کا کپڑا برآمد ہوتا ہے۔ یہاں اتوار کو ایک بازار لگتا ہے

۱۔ حموی کا بیان ہے کہ جرجان کے ریشمی کپڑے تمام آفاق میں جلتے ہیں (معجم البلدان ص ۲۲۲)
 ۲۔ غیش ایک کپڑا ہوتا ہے جس کی بناوٹ پتی ہوتی ہے اور اس کا دھاگا موٹا موٹا کتان کے خراب حصے اور بچے ہونے کتان سے تیار ہوتا ہے یا خوب موٹے عصب سے بنتا ہے (قاموس) ص ۱۲
 ۳۔ حصیر ایک بھڑکیلا بونی دار نہایت خوبصورت کپڑا ہوتا ہے (قاموس) ص ۱۲

جس کو کرکی کہتے ہیں، یہ اتنا مشہور ہے کہ وہاں اتوار کے دن کا نام ہی کرکی پڑ گیا ہے، اس بازار میں ریشم اور کپڑے نہایت کثرت سے بکتے ہیں، یہاں کا ازار بند، محفوری، قرمز اور گدے بے بنظر ہوتے ہیں۔ باب الابواب سے کتان کے کپڑے اور دبیل سے اون کے کپڑے، فرش گدے اور ازار بند جو نہایت قیمتی ہوتے ہیں باہر جاتے ہیں (سفرنامہ بشاری ص ۳۸)

سکر کا شان کا ایک قصبہ ہے، وہاں لوگ اکثر قیمتی اونی چادریں اور خوبصورت طیلان تیار کرتے ہیں۔ رے سے چادریں، اور سوتی کپڑے باہر جاتے ہیں (ثعالی لکھتا ہے کہ رے کی چادریں یمن کی چادروں کی طرح موصوف و معروف ہیں، ان کو عدنی کہتے ہیں اس لئے کہ وہ عدن کی چادروں کے مشابہ ہوتی ہیں اور لکھتا ہے کہ رے کی خصوصیات میں سے وہاں کے عمدہ کپڑے ہیں۔ (ثمار القلوب ص ۴۲۸)

قرزین سے اونی چادریں، پاتا بے اور قستی کی قسم کے کپڑے اور قم سے ریشمی کپڑے اور ہمدان اور اس کے نواح سے سوتی کپڑے باہر جاتے ہیں (قم کی نسبت سر جان مالکم تارتخ ایران میں لکھتا ہے ساہنا کار گاہ حریر بانی آن شہر بفایت امتیاز و اشتہار داشت ص ۲۲۹)

اس ملک کی خاص چیزوں میں اصفہان کے محلے اور قزوین کا قستی کپڑا ہے (سفرنامہ بشاری ص ۲۹۶) دہلم کا ملک توریشم اور اون کا ملک ہی کہلاتا ہے، اس ملک میں بڑے بڑے کاریگر ہیں۔ یہاں کا کپڑا مصر و عراق میں مشہور ہے، بڑا قیمتی ہوتا ہے۔ (سفرنامہ بشاری ص ۲۵۲) خوزستان کا دیبا، تسری کپڑا اور روئی اور ریشم کا باریک کپڑا مشہور ہے، خوزستان

کا ایک شہر یفنا ہے جہاں کے پردوں کی نسبت بشاری لکھتا ہے کہ دنیا میں سدرۃ المنتہی پر پہنچے ہوئے ہیں، اور سوکس کے تسری کپڑوں کی نظیر تو کسی دوسری جگہ دیکھی ہی نہیں گئی۔

یفنا کے مرد و عورت سب انما جانتے ہیں اور اون کا تتے ہیں، جندیسابوریں بیش قیمت کپڑوں کے بہت سے طراز (کارخانے) ہیں۔ تسر دیبا اور روئی کے بہتر سے بہتر پارچہ بافوں کی کان ہے، وہاں کا دیبا مصر و شام تک جاتا ہے، وہاں کے انماط اور مروی کپڑے

لے محفورہ ساحل بحر روم پر ایک آبادی ہے وہاں فرش بنتے ہیں (قاموس) یہ نسبت اسی آبادی کی طرف ہے۔ ص ۱۲

نہایت عمدہ ہوتے ہیں اور باہر جاتے ہیں، نور میں بھی بکثرت طراز ہیں، اہواز تری اور دیا کی بہت بڑی منڈی ہے۔ دورق خیش کی کان ہے، عسکر کے ریشی مقنعے اور دوسرے عمدہ پائدار کپڑے اور قتب کے کپڑے اور رومال وغیرہ بغداد جاتے ہیں، قرقوب کے انماط مشہور ہیں یعنی کے پردے اتنے مشہور و زانی ہیں کہ اسطیں چوڑے بنتے ہیں ان پر نکھا ہوتا ہے ہماغل ببصنادیعنی بھنا کا بنا ہوا محلہ ۱۴۱۱ (Ma Bama) ایسا کرنے سے وہ پردے اسی طرح خواہش سے جکتے ہیں جیسے بھنلے کے ہنگو حقیقت دیے ہوتے نہیں، اہوازیں ریشی لنگیاں بہت خوبصورت تیار ہوتی ہیں۔ جس کو عورتیں پہنتی ہیں، نہر تیری میں بڑے بڑے ازار بنتے ہیں۔

سوس کا تری کپڑا (عماموں کو چھوڑ کر) وہاں کے خصائص میں شمار ہوتا ہے (تغابی کہتا ہے کہ تشر کا دیا اور سوس کا کپڑا دنیا کے نفائس میں شمار ہوتا ہے، کشاجم باغ کی تعریف میں کہتا ہے کہ الذی دجیت تشر۔ ولھارت السوس فیہ نس (نماذ القلوب ص ۲۲) بشاری کہتا ہے کہ ایران شہر کے کپڑوں میں بڑی چمک دمک ہوتی ہے، مشرود عراق کے لوگ تجمل و زینت کے مواقع پر ان کو استعمال کرتے ہیں۔ (بشاری ص ۲۱۵)

ہرات کے کپڑے ساری دنیا میں جاتے ہیں، ہم کے کپڑے دنیا میں مشہور ہیں اور وہاں کے اکثر باشندے باچہ باف ہیں (سفرنامہ بشاری ص ۲۱۴) (وزاں ارض فارس میں کرمان کے نواں میں ایک چھوٹا سا شہر ہے حموی نے اس کو بافندوں کی کان بتایا ہے۔ (معجم البلدان ص ۱۹۱) فارس کا ایک شہر دستوا، ہے جس کی طرف دستواں کپڑے منسوب ہیں، ہشام دستواں مشہور محدث

۱۳ حموی نے لکھا ہے کہ بھنا و امی اہوازیں چھوٹا سا شہر ہے وہاں کے تمام مرد و عورت اون کاتے اور پردے اور گدے بنتے ہیں اور اسل بھنی بکھتے ہیں بھنا کے قریب شہروں (مثلاً بردوز اور کلیوان) میں بھی پردے بنے جاتے ہیں اور بھنا کے کہہ کر نیچے جاتے ہیں (معجم البلدان ص ۱۹۱)

۱۴ ابن الوردی نے لکھا ہے کہ اہوازی کپڑوں کی نظیر دنیا میں نہیں ہے، اسی طرح وہاں کے فرش، عکے، پردے اور بادشاہوں کی سواریوں میں جو کپڑے مستعمل ہوتے ہیں ان کی نظیر بھی نہیں ملتی (خریدۃ العجائب ص ۱۵) ۱۵ حموی نے لکھا ہے کہ تستوس بہت فائز عکے اور کپڑے بنتے تھے (معجم ص ۱۹۱)

انہیں کپڑوں کو بیچنے کی وجہ سے دستوائی کہلائے۔ (معجم پیر ۵۹) غوی اذربجہاں کے علاقہ میں ایک مشہور شہر ہے جہاں کے غوی کپڑے مشہور ہیں (معجم پیر ۵۹) غوی کا بیان ہے کہ شاپور ذوالکفایت نے جزیرہ دآمد وغیرہ بلاد روم سے جنگ میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد وہاں کے بہت سے باشندوں کو منتقل کر کے خوزستان کے نواحی میں آباد کیا، وہ وہیں مقیم ہو گئے اور ان کی نسل چلی، اسی وقت سے نستر میں ریشمی کپڑوں کی قسمیں اور سوس میں ٹسری اور بلد بلسا اور موتش میں پردے اور فرش تیار ہو کر دوسرے شہروں کو سپلائی ہونے لگے۔ (معجم البلدان ص ۲۸۹)

بخارا کا بیت الطراز

ابونصر قبادی لکھتا ہے کہ بخارا میں ایک بیت الطراز (اعلیٰ پارچہ بانی کا کارخانہ) تھا اور وہ آج بھی ہے، وہ کارگاہ حصار اور شہر کے درمیان جامع مسجد کے قریب واقع تھی، اس میں فرش کے مصرف کی چیزیں اور شادروان بنایا جاتا تھا، خلفائے اسلام کے لئے اس میں تکیہ کے غلاف، مصلے اور فذقی ویزی کپڑے تیار ہوتے تھے، ایک ایک شادروان پر بخارا کی پوری پوری رقم خراج صرف ہو جاتی تھی، ہر سال خلیفہ اسلام کے حکم سے ایک مستقل حاکم صرف اس کام کے لئے بخارا آتا تھا کہ بخارا کا جتنا خراج ہو اس کے عوض یہ کپڑا لیجائے، پھر ایسا ہو کہ یہ کارگاہ معطل ہو گئی، اور جو لوگ اس صنعت کے ماہر تھے ادھر ادھر چلے گئے۔ بخارا میں اس صنعت کے بہت سے استاد تھے جو اس کام کے لئے مخصوص تھے، دوسرے ملکوں سے سوداگر یہاں آتے تھے اور جس طرح لوگ زندگی بھر کپڑے لیجاتے ہیں یہ کپڑے بھی تمام و مصرف روم تک لیجاتے تھے، بخارا کے سوا خراسان کے کسی شہر میں یہ کپڑے نہیں ملتے تھے۔ تعجب تو یہ ہے کہ بخارا ہی کے ماہرین صنعت خراسان گئے اور وہاں ساز و سامان درست کر کے انہوں نے یہ کپڑے تیار کئے تو اس آب و تاب کے نہ ہوئے، کوئی بادشاہ، امیر، رئیس اور حصار منصب ایسا نہیں مل سکتا تھا جو یہ کپڑے رکھتا ہو۔ اس کا رنگ سرخ و سفید و سبز ہوتا تھا۔ آج تمام ملکوں میں زندگی اس کپڑے سے زیادہ مشہور ہے (تاریخ بخارا، مطبوعہ ایران، مکتبہ ابو جعفر نیشی و ترجمہ ابونصر قبادی)

لے فرش، پردہ اور شامیانہ (غیاث) ۱۲ سنہ

بلاد مغرب

برقہ سے اون کے کپڑے اور چادر میں دوسرے ملکوں کو جاتی ہیں، عقلیہ (سلی) دھلے ہوئے عمدہ کپڑے برآمد ہوتے ہیں۔ اندلس سے بھی نہایت کثرت سے کپڑے باہر جاتے ہیں (بشاری ص ۲۱) سو بس، اقصیٰ کے کسار اور دوسرے سو سی کپڑے دنیا میں مشہور ہیں (خریدۃ العجائب ص ۱۸) مریت (اندلس) میں طراز (منقش کپڑوں) کے آٹھ سو کارخانے اور بہترین حریر و دیبا کے ایک ہزار کارخانے تھے، اسی طرح سقلاطونی، جرجانی، اصہبانی، عتانی اور زرتار اور معا جرت وغیرہ کے بھی ایک ایک ہزار کارگاں ہیں تھیں (خریدۃ العجائب ص ۲۲)۔ محفوری کپڑے کا نام اور آچکا ہے وہ بھی محفورہ نامی ایک شہر کی طرف منسوب ہے جو ساحل بحر روم پر واقع ہے (قاموس) روم کا دیبا خوبصورتی میں ضرب المثل ہے (تھار القلوب ص ۲۵) سقلاطونی کپڑا روم کے ایک شہر کی طرف منسوب ہے۔

بشاری لکھتا ہے کہ اقلیم مغرب کے عجائب میں سے دو قلموں ہے، دو قلموں دراصل ایک جانور کا نام ہے، دریا کے کنارے وہ اپنا جسم پتھر سے رگڑتا ہے تو اس سے ریشم کی طرح نرم و نازک سنہرے رنگ کا اون جھڑتا ہے، وہ نہایت قیمتی و کم یاب ہوتا ہے، اسی کو کجا کر کے کپڑے بنے جاتے ہیں، جو دن میں کسی رنگ بدلتے ہیں، حکومت کی طرف سے اس کپڑے کو غیر ملک میں بھیجنے کی سخت ممانعت ہے، چوری سے چلا جائے تو چلا جائے، اس میں کا ایک ایک کپڑا بعض اوقات دس ہزار کو بکتا ہے۔

(سفرنامہ بشاری ص ۲۴)

ایشیائے کوچک و ترکی

لاذق میں سوتی کپڑے جن میں سونے کے گلی بوٹے ہوتے ہیں بنائے جاتے ہیں، ابن بطوطہ لکھتا ہے

لے معجر کے منی متنع اور روپوش کے ہیں (غیاث) ص ۲۰

جے حموی نے لکھا ہے کہ مریم میں منقش کپڑے اور دیبا بہت عمدہ بنایا جاتا ہے، پہلے قرطبہ میں بناتا تھا، بعد میں مریم اس پر غالب آگیا اور پھر مریم والوں کا سا عمدہ دیبا اندلس میں کہیں کے لوگ نہیں بناتے تھے (معجم البلدان ص ۲۲)

کر ان کپڑوں کی مثال نہیں ملتی، ان کا دھاگہ بہت مضبوط، اور بہت عمدہ روئی کا ہوتا ہے اس لئے ان کپڑوں کی عمر بہت ہوتی ہے، اور یہ کپڑے لافق کی نسبت سے لافق کہلاتے ہیں، یہاں یہ کام اکثر رومی عورتیں کرتی ہیں (ص ۱۸۲)۔ اقصیٰ میں اقصیٰ فرش بنتے ہیں، بھیروں کے اون سے تیار ہوتے ہیں۔ کسی اور شہر میں ان کی نظیر دستیاب نہیں ہوتی۔ اقصیٰ سے شام، مصر، عراق، ہندوستان، چین اور بلاد اتراک کو جاتے ہیں۔ (ابن بطوطہ ص ۱۸۶)

ارزنجان میں بہت عمدہ کپڑے بنتے ہیں جو ارزنجانی کہلاتے ہیں (ابن بطوطہ ص ۱۹۱)

قسنطنیہ کا کارخانہ پارچہ بانی

قسنطنیہ میں پارچہ بانی کا ایک شاہی کارخانہ نہایت شاندار ہے، جس کی نسبت بشاری لکھتا ہے کہ، اس میں شاہی دیبا بنتا ہے، اور قسنطنیہ میں یہ دستور ہے کہ تمام مسلمان قیدیوں کو صنعت و حرفت کے کاموں میں لگایا جاتا ہے۔

البانیہ

البانیہ کی عورتیں سینے پر رونے اور بننے میں طاق ہوتی ہیں، سقوطری (البانیہ) بازار ہفتے میں دوبار لگتا ہے اور پہاڑی عورتیں خرید و فروخت کے لئے وہاں جاتی ہیں اور وہاں اپنے ہاتھ کے بنے ہوئے کپڑے اور کشیدہ کاری کی چیزیں فروخت کرتی ہیں۔ (اخبار مدینہ ۵ اگست ۱۹۳۷ء)

چین و خطا ترکستان

دینیوں چین میں بہت بڑا شہر ہے وہاں کمنا اور اٹلس کے کپڑے بنتے ہیں اور زیتونی کہلاتے ہیں اور وہ خنساوی و خنالتی کپڑوں سے بہتر ہوتے ہیں، زیتون کی بندرگاہ دنیا کی سب سے بڑی (ابن بطوطہ کے عہد میں) بندرگاہ تھی۔ (ابن بطوطہ ص ۱۹۲)

خنساہ ابن بطوطہ کے مشاہدہ میں دنیا کا سب سے بڑا شہر تھا، اس کے دارالامارہ میں پارچہ بانی اور اسلحہ سازی کے کارخانے تھے، جن میں نفیس کپڑے تیار ہوتے تھے، ان میں سوا سوا استاد تھے اور

ہر استاد کے ماتحت تین تین چار چار متعلم بھی تھے۔ (ابن بطوطہ ص ۱۶۶) اس کے علاوہ شہر میں بھی بڑے ماہر پارچہ باف آباد تھے اور خنساوی کپڑے بناتے تھے۔ (ابن بطوطہ ص ۱۶۸) ابن بطوطہ نے اس کو مملکت چین کا آخری شہر (یعنی مغرب کی طرف) لکھا ہے۔ اس کے بعد سے بلاد خطا شروع ہو جاتے ہیں، خان باق جس کو خانقو بھی کہتے ہیں خنسا سے چوسٹھ دن کی مسافت پر ہے اور تان اعظم جو چین و خطا کا بادشاہ ہے اس کا پایہ تخت یہیں ہے۔ (ابن بطوطہ ص ۱۶۸-۱۶۷) خان باق میں کپڑے بناتے تھے اور خنسا لیتی کھلاتے تھے۔

طوفا (اس شہر کو ابن الوردی نے چین کے ضمن میں لکھا ہے) میں طوخی ریشمی کپڑے تیار ہوتے تھے جن کی مثال نہیں ملتی۔ (خریدہ ص ۵۵)

تبت

تبت میں نہایت ٹھوس موٹے مرگ بیش قیمت کپڑے بناتے تھے۔ (خریدہ العجائب ص ۵۸)

شام

شام کے شہروں میں فلسطین سے لنگیاں اور لمحم (کپڑے کی ایک قسم، تاموس) تیار ہو کر دوسری جگہوں میں جاتے تھے، طبریہ میں بھی کپڑے بناتے تھے، قدس میں دوسو کپڑے اور بلعیسی (کپڑے کی ایک قسم) تیار ہوتے تھے۔ دمشق میں دیبا تیار ہوتا تھا۔ حلب میں بھی کپڑے بناتے تھے۔ رملہ کے ازار (لنگیاں) بے نظیر ہوتے تھے اور عسقلان کا ریشمی کپڑا نہایت عمدہ ہوتا تھا۔
(سفرنامہ بشاری ص ۱۴۲)

حلب سے دس میل پر ایک چھوٹا سا شہر باب یا باب بزاغہ نامی ہے وہاں سوئی کپڑا بہت تیار ہوتا تھا اور مصر و دمشق جاتا تھا اور بانی کھلاتا تھا۔ (معجم حموی ص ۹)
وادی البیسر (عمان) (مضافات شام) سے ۷۰ کیلومیٹر پورب تقریباً ۲۵۰ گھر کی آبادی ہے وہاں کے باشندے کپڑے بناتے تھے، شیخ موسیٰ ازہری کا بیان ہے کہ آج سے بیس سال پہلے میرے جسم پر جتنا کپڑا ہوتا تھا وہ سب میری ماں کے ہاتھ کا بنا ہوا ہوتا تھا (عمان فی عمان خیر الدین زرکلی)

زر کلی نے لکھا ہے کہ مکان اہل دادی السیر یعنون بالعیاکۃ یعنی وادی السیر کے لوگ بنائی کرتے ہیں (ص ۷۹)

مصافحہ ہشام بن عبد الملک رقدے بارہ میل پچھم، ہشام کی بساتی ہوئی ایک آبادی ہے وہاں کے باشندے ادنیٰ کسار بنانے میں بڑے ماہر تھے، حموی کا بیان ہے کہ ہر مرد چاہے غریب ہو یا امیر وہاں پر اون کا تاتھا اور ان کی عورتیں کسار بنتی تھیں۔ (معجم ص ۲۵۵)

مصر

فسطاط سے عمدہ بز (ایک کپڑا) کہیں نہیں ہوتا تھا، تنیس میں رنگین چادریں اور دوسرے کپڑے تیار ہوتے تھے، (قاموس میں ہے کہ اس کی طرف بہت عمدہ کپڑے منسوب ہوتے ہیں اور معجم ص ۲۱۸ میں ہے کہ اس میں رنگین کپڑے اور بوقلموں فرش بنائے جاتے ہیں) فیوم میں معمولی کتان بنتا تھا۔ ومیاط کے پارچہ باف تنیس کے پارچہ بافوں سے زیادہ ماہر اور وہاں کا کپڑا یہاں کے کپڑے سے زیادہ اونچا ہوتا تھا، یہاں کتان کے نہایت نرم و نازک کپڑے بنتے تھے، شطا کا شطوی کپڑا مشہور ہے، طحا میں اون کے عمدہ کپڑے بنتے تھے۔ ہنسالیس پردے، گدے اور کتان کے اونچے کپڑے تیار ہوتے تھے اور مصر سے سرخ استر کے کپڑے باہر جاتے تھے اور ہلخت و مثلث بھی یہاں سے سپلائی ہوتا تھا، مصر کے کپڑوں میں قبلی، ازار، خیش اور عبادانی بھی ہیں اور خیش تو مصر کا بے نظیر ہوتا ہے، اور شطوی تو ایسا قیمتی اور سود مند کپڑا ہے کہ حکومت کی طرف سے اس پر نہایت پابندیاں ہیں اور اس کی بڑی نگرانی ہوتی ہے۔ (سفرنامہ بشاری ص ۲ تا ص ۲۱) قسی (کتان اور ریشم کا مخلوط کپڑا جس کا ذکر احادیث میں آتا ہے) مصر ہی کے ایک مقام قس کا بنا ہوا ہوتا ہے (نہایہ) مصر کے علاقہ میں اسوان بہت مشہور جگہ ہے یہاں لنگیاں بنتی تھیں (طالع سعید ص ۲۸ و ص ۲۷)

مصر کے اصلی باشندے قبلی لوگ عموماً کپڑا بناتے تھے اور قبلی کپڑا انھیں کی طرف منسوب ہے جو نہایت باریک اور سفید ہوتا تھا اور اس کا ذکر حدیثوں میں آیا ہے وہ حجاز میں بکثرت مستعمل تھا۔

لے ابن بطوطہ نے لکھا ہے کہ ہنسالیس اون کے عمدہ کپڑے بنتے تھے (ابن بطوطہ ص ۲)

تونس، دمیاط و تنیس کے درمیان ایک جزیرہ ہے وہاں کا کپڑا اور طراز ضرب المثل ہے (معجم البلدان

۲۳۵) محمد بن عمر مطر نے کہتا ہے

یا اهل تنیس و تونة قالوا ما بین طرین کمد و طرین الباسی

(معجم ص ۲۳۶-۲۳۷)

ابن الوردی کہتا ہے کہ اسکندریہ میں فاخر کپڑے بہت عجیب تیار ہوتے تھے (خریدہ

العجائب ص ۲۹)

حموی نے لکھا ہے کہ دمیاط شرب کے فائق کپڑوں کی تیاری کے لئے مخصوص تھا، یہ بھی لکھا ہے کہ دمیاط و تنیس میں اونچے قسم کے کپڑے بننے والے بہت معمولی قسم کے قبلی تھے جن کی خوراک و پوشاک نہایت گھٹیا ہوتی تھی اور گندے بھی تھے، بائیں ہمدان کا بنا ہوا کپڑا جب تیار ہو کر نکلتا تھا تو ہاتھ میں لیتے ہی یہ یقین ہوتا تھا کہ وہ نڈ (ایک خوشبو) میں بسایا ہوا ہے، حموی کا بیان ہے کہ دمیاط کے قبلی جانب (پورب طرف) خلیج کے اوپر کچھ غرف (محل) بنے ہوئے تھے، جن کو بافندہ لوگ کرایہ پر لے کر ان میں کپڑے بناتے تھے، ان غرفوں میں وہ کپڑے جتنے بہتر تیار ہوتے تھے دوسری جگہ دیئے نہیں بناتے تھے ابن ذوق مصری کہتا ہے کہ دمیاط میں ہر طرح کا قصب، لمبی اور شرب تیار ہوتا ہے اور دمیاط ہسفیڈ کپڑا جس میں سونا مطلقاً نہیں ہوتا تین سو دینار تک کو کہتا ہے۔ حموی کا بیان ہے کہ میں نے ثقہ - ماجروں سے سنا ہے کہ ۲۹۸ میں دودمیاطی محلے تین ہزار دینار کو فروخت ہوتے تھے، دوسرے کسی شہر میں اس کی نظیر نہیں سنی گئی۔ دمیاط میں قلمونی فرش ہر رنگ کا معلم و مطر ز اور تولیے۔ (مناشف الابدان) ایسے عمدہ بنتے ہیں کہ دنیا کے بادشاہوں کو ہدیہ میں بھیجے جاتے ہیں۔ (معجم البلدان ج ۴ ص ۸۶) دیقار (بقول حمزہ) یاد بنی (بقول حموی) تنیس کے قریب ایک شہر تھا جواب ویران ہو گیا ہے، دبیقی کپڑے جن کا ذکر اشعار عرب میں آتا ہے اسی کی طرف منسوب ہیں۔ (معجم ص ۲۳۷)

خلفائے عباسیہ کے زمانہ میں تنیس (جو دمیاط کے شمال میں مصر کا سرحدی شہر تھا) میں کعبہ شریف کا ریشمی سیاہ غلاف تیار ہوتا تھا۔ اور قیمتی کپڑوں کی صنعت میں تنیس کی بڑی شہرت تھی (لقرنیری او الزحلاہ مجازیہ ص ۱۳۵) فاہکی مورخ نے تنیس کے بنے ہوئے غلاف کعبہ کا ٹکڑا خود دیکھا تھا جس پر من طراز تنیس (تنیس کے کارخانہ کا) بناوٹ میں لکھا ہوا تھا، اور اس کی بناوٹ میں

۱۲۲ء کی تاریخ بھی درج تھی، اسی طرح تو نے میں بھی غلاف کعبہ کی تیاری ہوتی تھی، اس کا ٹکڑا بھی فاکہی نے دیکھا تھا اس پر سلسلہ کی تاریخ بناوٹ میں تھی۔

اب بھی مصر کے مقام خرنفش میں ایک نہایت کشادہ عمارت ہر سال غلاف کعبہ بنا جاتا ہے جس کا اہتمام ۱۳۲۸ھ میں عبداللہ فائق بک کے سپرد تھا اور شتر آدمی اس میں بنائی کے کام پر مقرر تھے، جن کی اجرت اور ریشم کی قیمت میں گیارہ ہزار گیارہ سو مصری گنی صرف ہوتی تھی۔ (الرحلہ - الحجازیہ ص ۳۷-۱۳۸)

ابن بطوطہ لکھتا ہے کہ ایبار میں بہت اچھے کپڑے تیار ہوتے جو مصر و شام و عراق وغیرہ میں بہت اونچی قیمت پر بکتے ہیں۔ (ابن بطوطہ ص ۱۵)

ہندوستان

ہندوستان زمانہ قدیم سے پارچہ بانی کا بہت بڑا مرکز ہے، تاریخوں میں خصوصیت سے ڈھاکہ کا ذکر نہایت جلی عنوان سے ملتا ہے، علی شیر تحفہ الکرام میں ڈھاکہ کے ذکر میں لکھتا ہے کہ بنگالہ میں ایسے باریک کپڑے تیار ہوتے تھے کہ فضا میں اڑا دیجئے تو بہت دیر تک وہ فضا میں رکے رہ جاتے تھے اور سپیدہ صبح کی طرح معلوم ہوتے تھے۔ حاکم بنگالہ سلیمان افغان کے بھائی تاج خاں نے مولانا غزالی کی خدمت میں ستائیس ہاتھ لمبا اور ڈیڑھ ہاتھ چوڑا رومال ہدیہ کیا تھا، اس کا سوت اتنا باریک تھا کہ اتنا بڑا رومال مٹھی میں چھپ جاتا تھا۔ (تحفہ الکرام ص ۳۶) ڈھاکہ کے علاوہ سند وغیرہ میں بھی پارچہ بانی کا رواج بہت قدیم ہے، سند سے دھاری دار رنگیاں یا کوئی دوسری قسم جس کو عربی نوٹ کہتے ہیں بلاد عرب تک جاتی تھی۔ (قاموس) عرب و خراسان وغیرہ میں ایک اور ہندوستانی کپڑا جس کو زٹلی کہتے ہیں جاتا تھا، مغرب کے مصنف وغیرہ نے لکھا ہے کہ زٹلی کپڑے زٹ قوم کی طرف منسوب ہیں اور یہ ہندوستان کی ایک قوم ہے ابوریحان کے قول کے مطابق اس قوم کا مسکن لاہور ہے اور صاحب قاموس کی تحقیق میں وہ جت (یعنی جاٹ) قوم ہے۔

ابن بطوطہ (ص ۲۵) کڑا مانک پور اور اس کے نواح کے باب میں لکھتا ہے کہ یہاں اونچے کپڑے بنتے ہیں اور یہیں سے دہلی لائے جاتے ہیں۔ (ص ۲۶)

دکن کے باب میں فیضی لکھتا ہے کہ وہاں کی سب سے عمدہ چیز کپڑا ہے، جس کی نسبت کہا جاسکتا ہے کہ کاغذ ہے، عمدہ کپڑے دکن کے دو شہروں میں بنتے ہیں ایک پٹن دوسرا دولت آباد۔
(لطیفہ فیاضی تسلیمی)

